عرضِ نغمہ

ٹیگور کی گیتانجلی کا پہلا اردو ترجمہ

علامہ نیاز فتح پوری



ناشر: حلقۂ نیاز و نگار

عرضِ نغمہ

ٹیگور کی "گیتانجلی" کا پہلا اردو ترجمہ

علامہ نیاز فتح پوری

ناشر

حلقہ نیاز و نگار کراچی

نام کتاب	عرض نغمہ
مصنف	علامہ نیاز فتح پوری
صفحات	۱۸۴
قیمت	ایک سو پچاس روپے
ناشر	حلقہ نیاز و نگار کراچی

تقسیم کنندگان

(۱) اختر بک ڈپو اردو بازار کراچی
(۲) مکتبہ عالیہ اردو بازار لاہور
(۳) بیکن بکس بوسن روڈ ملتان

ملاحظات

علامہ نیاز فتح پوری کی ایک بہت مشہور کتاب "عرض نغمہ" اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نیاز کی تخلیق نہیں بلکہ بنگال کے نوبل انعام یافتہ عالمی شہرت کے شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کے گیتوں کے مجموعے کا اردو ترجمہ ہے۔ لیکن یہ ترجمہ ایسے تخلیقی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے کہ ٹیگور کی تخلیقی روح کو تقریباً چھو لیتا ہے اور شاید اسی لیے نیاز کا یہ ترجمہ اتنا مقبول ہوا کہ ٹیگور کے متعدد اردو ترجموں کے سامنے آجانے کے بعد بھی اس کی قدر و قیمت کم نہیں ہوئی اور "عرض نغمہ" کی اولین اشاعت کے تقریباً نوے سال بعد بھی ادب کے قارئین اس کی طلب و تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔

علامہ نیاز کا ترجمہ اوّل اوّل ۱۹۱۴ء میں "عرض نغمہ" کے زیرِ عنوان نگار بک ایجنسی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا، بعد کو بھی کئی بار شائع ہوا اور اس کا ایک ایڈیشن نگار پاکستان کی معرفت . کراچی سے بھی منظر عام پر آیا لیکن بہت جلد نایاب ہوگیا اور اب اس کا کوئی ایڈیشن کہیں دستیاب نہیں ہے۔

"عرض نغمہ" کے جتنے ایڈیشن، ۱۹۱۴ء سے لے کر اب تک شائع ہوئے ان میں سب سے پاکیزہ اور سب سے صاف ستھرا، ۱۹۱۴ء ہی کا ایڈیشن تھا۔ اس کی کتابت بھی بہت دیدہ زیب ہے اور خاص بات یہ ہے کہ اس کے پروف خود نیاز نے دیکھے ہیں اور اپنی نگرانی میں شائع کرایا ہے۔ چنانچہ اس وقت جو کتاب فوٹو کاپی کے ذریعے آپ کے ہاتھ میں ہے وہ ۱۹۱۴ء کے ایڈیشن ہی کا عکس ہے اور ہر طرح مکمل ہے۔ یوں تو ترجمے میں تخلیق کا رنگ ہر

جگہ نمایاں ہے لیکن اس سے آگے بڑھ کر خاص بات یہ ہے کہ کتاب کا مقدمہ بہت غضب کا ہے۔ مقدمہ کیا ہے ہندی، فارسی، اردو، انگریزی، سنسکرت اور عربی کے حوالے سے موسیقی و موسیقیت کے بارے ایک فکر انگیز اور نغمہ ریز طویل تحقیقی و تنقیدی مقالہ ہے۔ یہ مقالہ تقریباً چالیس صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔ اسے علامہ نیاز کے زمانۂ شباب کا پہلا علمی و ادبی مقالہ کہنا چاہیے کہ ۱۹۱۴ء تک اس مقالے کے علاوہ انہوں نے جو کچھ لکھا وہ عموماً شعرِ منثور یا نثرِ لطیف کے تحت آتا ہے اور اسے کسی طرح بھی مقالے کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

"عرض نغمہ" کے اولین ایڈیشن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے علامہ نیاز نے اکبرالہ آبادی کے نام نامی سے معنون کیا ہے اور وہ بھی اس انداز خاص سے کہ اکبر سے ان کی عقیدت و محبت ایک ایک لفظ سے ٹپکی پڑتی ہے۔ اب یہی ایڈیشن نئی طباعت و اشاعت کے ساتھ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

فرمان فتح پوری

فہرست

۳۶ دن تھا جب وہ (کچھ لوگ) میرے گھر آئے اور کہا

۳۷ صرف اس قدر مختصر حصّہ مجھ میں باقی رہنے دے

۳۸ جہاں قلب بیخوف ہے

۳۹ اے میرے مالک تجھ سے میری دعا یہ ہے

۴۰ میں خیال کرتا تھا کہ میرا سفر قوّت کی حدِّ آخر پر ختم ہو چکا ہے

۴۱ یہ کہ میں تجھے چاہتا ہوں

۴۲ جب میرا قلب سخت و خشک ہو جائے

۴۳ اے میرے خدا، مدّتیں گزریں کہ میرا دلِ تشنہ کام

۴۴ اپنے کو سایہ میں چھپائے ہوئے

۴۵ بہت تڑکے یہ دھن لگی تھی کہ ہم کشتی میں سوار ہو کر جائیں گے

۴۶ وہ بھی ایک دن تھا جب میں تیرے لئے اپنے تئیں تیار نہ رکھ سکی

۴۷ میری مسرّت اسی میں ہے کہ یوں ہی تیرا انتظار کیا کروں +

۴۸ کیا تم نے اس کی خاموش آوازِ قدم نہیں سُنی

۴۹ نہیں معلوم کتنی مدت سے تو ہمیشہ مجھے ملنے کے لئے قریب
بڑھتا چلا آتا ہے۔

۵۰ رات قریب قریب اُس کے انتظار میں بیکار صرف ہو گئی

۵۱ صبح کا بحر خموشی طیور کی ننھی ننھی امواجِ نغمہ میں تبدیل ہو گیا تھا

۵۲ تو اپنے تخت سے اُترا۔ اور میرے جھونپڑے کے دروازے
پر آ کر کھڑا ہو گیا۔

۵۳ میں دروازے دروازے بھیک مانگنے گانوں کے راستہ
میں جا رہی تھی۔

۵۴ رات تاریک ہو گئی تھی۔

۵۵ میرا خیال تھا کہ میں تجھ سے وہ گلاب کا ہار مانگوں گی۔

۵۶ خوبصورت ہے ستاروں سے آراستہ۔

۵۷ میں نے تجھ سے کچھ نہیں مانگا۔

۵۸ تیرے قلب پر افسردگی طاری ہے۔

۵۹ کہ ایسا ہی ہے کہ تیری مسرت مجھ میں اسقدر بھری پڑی ہے

۶۰ روشنی امیرد روشنی۔

۶۱ تمام فشارہائے مسرت کو میرے نغمۂ آخرین میں ملجانے دے۔

۶۲ ہاں میں جانتا ہوں یہ کچھ نہیں ہے۔

۶۳ بیشمار اقطاع عالم کے ساحلِ بحر پر لڑکے جمع ہوتے ہیں۔

۶۴ نیند جو بچے کی آنکھوں میں آتی ہے۔

۶۵ اے میرے بچے جب میں تیرے پاس رنگین کھلونے لاتی ہوں۔

۶۶ تو نے مجھے [illegible] دوستوں سے شناسا کرا دیا۔

۶۷ سنسان [illegible] پر لانبی لائی گئی [illegible]

۶۸ میری زندگی کو [illegible] والے جام ہے۔

۶۹ وہ جو ہمیشہ میرے عمق وجود میں۔

۷۰ تو (جس طرح) آسمان میں [illegible] گر رہا ہے۔

۷۱ شعاعِ مہر اس ہماری زمین پر آغوش پھیلائے ہوئے آتی ہے۔

۷۲ وہی چشمۂ زندگی جو رات دن میری رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے

۷۳ کیا تیرے اختیار سے باہر ہے۔

۷۴ یہ کہ میں اپنے کو بہت لئے رہوں۔

۷۵ وہ وہی نہاں تریں وجود ہے۔

۷۶ میرے لئے آزادی ترکِ مساعی میں نہیں ہے۔

۷۷ دن اب نہیں ہے۔

۷۸ تیرے انعامات ہم فانیوں کی سب ضرورتیں پوری کرتے ہیں

۷۹ اے مالکِ حیات کیا میں تیرے روبرو یونہی روز بروز کھڑا رہوں

۸۰ میں تجھے اپنا معبود جانتا ہوں۔

۸۱ جب آفرینش نئی نئی تھی۔

۸۲ اگر اس زندگی میں تجھ سے ملنا میرا حصہ نہیں ہے۔

۸۳ میں تو خزاں کے پارۂ ابر کی طرح ہوں۔

۸۴ بہت بیکار دن گزر گئے کہ میں اپنے ضائع وقت پر رنج کر رہا ہوں۔

٨٥ تیرے پاس اے مولیٰ غیر متناہی وقت ہے۔

٨٦ اے ماں (یعنی وطن) میں تیری گردن کے لئے اپنے اشکِ غم سے موتیوں کا مالا تیار کرونگا۔

٨٧ یہ دردِ فراق ہی ہے جو تمام عالم میں بیٹھا ہے۔

٨٨ جب مجازی (حیات) اوّل اوّل اپنے آپ کے مکان سے آئے

٨٩ موت تیری نوکر میرے دروازے پر ہے۔

٩٠ اک یادیہ آ زندہ ہوتے جاتا ہوں۔

٩١ اے تباہ شدہ معبد کی دیوی۔

٩٢ اب میرے الفاظ میں وہ شور و ہنگامہ کہاں۔

٩٣ اُس دن جب موت تیرا دروازہ کھٹکھٹائے گی۔

٩٤ موت۔ اے زندگی کی وفائے آخرین۔ آ۔ اور مجھ سے سرگوشی کر

٩٥ میں جانتا ہوں وہ دن آئے گا جب اس دنیا کا نظارہ میرے لئے ختم ہو جائیگا۔

۹۶ مجھے رخصت مل گئی ہے۔ اے بھائیو مجھے خیر باد کہو۔

۹۷ اے میرے دوستو اب جدائی کے وقت میرے شادکام ہونے کی دعا کرو۔

۹۸ میں اُس لمحہ سے آگاہ نہ تھا۔

۹۹ جب میں یہاں سے جانے لگوں۔

۱۰۰ جب میں تیرے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔

۱۰۱ میں تجھے اپنے اُن ہاروں اور نشاناتِ فتح سے آراستہ کرونگا

۱۰۲ جب میں تیورا (ہاتھ سے) چھوڑتا ہوں۔

۱۰۳ میں نمودِ صور کے عمقِ بحر میں اس اُمید پر غوطہ زن ہوتا ہوں۔

۱۰۴ میں نے زندگی بھر تیرے پالنے کی کوشش اپنے نغموں ہی سے کی

۱۰۵ میں لوگوں میں فخر کیا کرتا تھا۔ کہ میں نے تجھے جان لیا ہے۔

۱۰۶ اے خدا تجھ سے یہی دعا ہے کہ میرے تمام حواس صرف ادائے عجز کے ساتھ تیرے حضور میں وسیع ہو کر رہ جائیں +

تہدیہ

میں اگر محجوبیت نہ ہوتی، تو میں بلا پس و پیش، بصد ناز و افتخار ان اوراق کو

حضرت اکبرؔ الٰہ آبادیؒ[ﻟﮧ]

کے نام منسوب کر دیتا، جنکے پاکیزہ مذاقِ ادب اور خصوصِ صداقت نے میرے دلِ زار کو خراب و مبتلا کر رکھا ہے، اور جنکی حقیقت شناس نگاہ نے اس مجموعہ کو بہت پسند فرمایا لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ میں "عدم تہدیہ" کو بھی اُن سے متعلق نہ کروں جو میری تمنا "حسرتِ تہدیہ" ہے۔

نیاز

ﻟﮧ اعنی خان بہادر سید اکبر حسین صاحب پنشنر جج (مرحوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

جس طرح اس سے زیادہ بدقسمت تغافل ایک کاشتکار کے لئے اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ اُسے خود نہ معلوم ہو کہ اُس کی پیداوار کیا ہے۔ اور معلوم بھی ہو تو ایک اجنبی کی زبانی۔ اسی طرح اس سے زیادہ شرمناک بدمذاقی ایک مُلک کی اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنے ہاں کے جوہرِ قابل سے بے خبر ہو۔ اور آگاہ ہو بھی تو ایک غیر مُلک کے کہنے سے۔ جس کو صورتاً و سیرتاً اُس سے ایک تعلقِ بعید ہو +

سچ ہے کہ خدا جب اپنی کسی قوّت کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ ایک بیدار دماغ۔ ایک ہوشمند طبیعت کو منتخب کر کے اُسے مظہر فیضان قرار دیتا ہے۔ وہ قوّت جو رنگ و صورت کے امتیاز سے بے نیاز

مذہب و ملّت کی تفریق سے بے پرواہ ہے۔ ہمیشہ اُن قواء میں برکت و راحت کا نشیمن بناتی ہے جن میں شوقِ عمل باقی ہے۔ اور ہمیشہ اُن سینوں کی متلاشی رہتی ہے جو حوصلوں سے معمور۔ اور ولولوں سے لبریز ہوتے ہیں۔ پس حیف ہے اُس قوم پر جس میں قوّتِ عمل مفقود ہے۔ اور جس کے افراد حوصلہ مند سینوں اور ولولہ خیز دلوں سے محروم ہیں +

واقعات کی قوّتِ استدلال غیر فانی۔ مشاہدات کے براہین قاطع اور تجربات کے دلائل غیر متزلزل ہیں۔ نہ میرے لکھنے کی ضرورت اور نہ کسی وعظ و پند کی۔ اگر "رابندرا ناتھ ٹیگور" اپنے زورِ فکر و قلم سے "یورپ" کو مبہوت و متحیّر بنا سکتا تھا۔ تو کیا یہ ہماری عبرتناک غفلت نہیں کہ ہم اپنے ملک کے ایک فرزند کی وقعت کرنے میں اُس خبر کے منتظر تھے۔ جو غیروں کی زبان سے نکل کر ہم تک پہنچے؟

ہر چند ٹیگور بنگال میں بہت زمانہ سے مقبول ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے

کہ خود بنگال کو اس کی حقیقی عزت و وقعت کا پتہ اُس وقت چلا۔ جب "یورپ" نے "نوبل پرائز" دے کر ہمکو حیرت میں ڈال دیا کہ دنیا میں ایک شاعر بھی اس اعزاز کا مستحق ہو سکتا ہے کہ تمام اخبارات و رسائل اُسکی تصویر شایع کریں اور اُسکی شاعری کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ قرار دی جائے!!

اس میں کلام نہیں کہ مادّیات کے اس دورِ ارتقا میں یہ طرزِ عمل علی الخصوص یورپ کی طرف سے۔ جو مادّیت کا پرستار خصوصی ہے۔ اور پھر ٹگور کی شاعری سے متاثر ہوکر جو جذباتِ روحانی کے سوا اور کچھ نہیں رکھتی۔ ایک ایسا حیرت انگیز تماشہ ہے جسے دیکھ کر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا لیکن جب یقین کر لیا جاتا ہے۔ تو ٹگور سے زیادہ یورپ کی ادا شناسی کی تعریف کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر یورپ دن بھر مادّیت کی پرستش کرتا ہے تو وہ شام کے (یا ان) رات کی خلوت میں مناظرِ فطرت کے بیان سے متاثر ہو کر روحانیت کے سامنے بھی سر جھکا سکتا ہے۔

جس وقت اوّل اوّل مجھے اس حقیقت شناسی کا حال معلوم ہوا۔ تو میں متحیر رہ گیا کہ خدایا۔ ٹگور نے کس مشین کی زبان میں شاعری کی ہے جو یورپ یوں بے اختیار ہو گیا۔ اور مجھے جستجو ہوئی کہ کوئی نظم ملے۔ تو دیکھوں لیکن افسوس ہے کہ میں ایک عرصہ تک اس آرزو میں تڑپتا رہا اور آخر جب اُس کے مجموعۂ نظم "گیتان جلی" کا انگریزی اڈیشن شایع ہو کر مجھ تک پہنچا۔ اور میں نے اپنے بیتاب ہاتھوں سے اُسے کھول کر ان پہلے جملوں کا مطالعہ کیا کہ:۔

"(اے خدا) تو نے مجھے غیر متناہی بنا دیا۔ تیری مرضی ایسی ہی ہے اس کمزور ظرف (ہستی)، کو تو بار بار خالی کرتا ہے۔ اور پھر ہمیشہ ایک تازہ زندگی سے (اُسے) معمور کر دیتا ہے"!

تو کتاب میرے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور دل دُکھ کر رہ گیا کہ یورپ نے کیوں اس کی عزت کر کے ہماری یہ تنہا مسرت یقین چھین لی کہ اگر یورپ "مادیت" کا شیدا ہے۔ تو ہم "روحانیت" پر فدا ہیں)۔ اور اس طرح

اُس سے کسی طرح کم نہیں *

کامل ایک ہفتہ میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور نہیں کہہ سکتا کہ کسقدر لطف میں نے اُٹھایا۔ اور کیسا اندوہ عبرت بنی نوع انسان کی سبک سری کے لئے میں نے یورپ کی اس تہذیب افزائی کے اندر پنہاں پایا *

اس سے قبل میرا خیال تھا کہ مغربی تعلیم صرف تکمیل مادیت کے لئے ہے۔ اور روحانیت کو اس سے کبھی سروکار نہیں ہو سکتا۔ اور یہ خیال میرا ذاتی تجربہ کی بنا پر تھا کیونکہ جب کبھی مَیں کسی تعلیم یافتہ نوجوان سے ملا۔ اُس کو شعایرِ روحانی سے اسقدر اجنبی پایا کہ کبھی یہ خیال بھی ذہن میں نہیں گزرا کہ روحانیت کسی زمانہ میں اُس کی زندگی کا کسی طرح جزو بن بھی سکتی ہے یا نہیں۔ مذہب سے تغافل۔ مذاقِ صحیح سے گریز انبساطِ حقیقی سے مغائرت کلّی! مَیں خاموش ہو جاتا تھا کہ شاید مغربی تعلیم کا اقتضا یہی ہو گا۔ اور یہ غریب جبکہ پاکیزہ صحبتیں نصیب نہیں

ہوئیں۔ جس نے مذہب کی تعلیم نہیں پائی۔ جس کے دماغ کی تربیت
ہی اس وضع پر نہیں ہوئی کہ وہ گیت دوگداز کا مفہوم جان سکے۔ جس کو
ضرورت دنیا نے زندگی کی سطح بیرونی کے مطالعہ پر مجبور کر دیا ہے
قابل معافی ہے۔ لیکن یورپ نے ٹیگور کی شاعری کی عزت کر کے وہ

پردہ میری نگاہوں کے سامنے سے اُٹھا دیا۔ اور اک سخت درد انگیز
منظر سے دوچار کر دیا ٭

میں یہ دیکھ سکتا ہوں کہ ایک شخص مجبور ہو کر اپنے وطن کی یاد اپنے
دل سے بھلا دے۔ لیکن میں اس منظر کو برداشت نہیں کر سکتا کہ آزادی
کی حالت میں ترکِ اُلفت کے بہانے تلاش کئے جائیں۔ میں
اس بات کو سُن سکتا ہوں کہ ایک شخص عالم اضطرار و اضطراب میں
ممنوعات اپنے اوپر جائز کر لے لیکن اس کے سننے کی تاب
مجھ میں نہیں کہ صرف ہوا و ہوس کی مجبوری سے کسی ناول کو درست
سمجھ لے۔ میں ایک ظالم و سخت گیر قوت کے سامنے سر جھکا دینے والوں

ملامت نہیں کرتا۔ خواہ وہ قومیت کتنی ہی عدوئے دین کیوں نہ ہو لیکن میرے غصہ کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ قوت سر جھکا دینے پر کسی کو مجبور نہیں کرتی اور یہ عجز دناءتِ اخلاق کا نتیجہ ہے۔ میں کسی جدید تعلیم یافتہ کو مذاقِ سلیم سے معرا دیکھ کر اس خیال سے خاموش رہ سکتا تھا کہ یہ اُس کے لئے ناگزیر ہے۔ لیکن اظہار نفرت و ملامت اُس وقت میرے اختیار سے باہر ہے۔ جب میں یہ جان لوں کہ تعلیم جدید سلبِ وجدان نہیں کرتی۔ میں کسی کو مجنونِ فیشن و ملبوس دیکھ کر اس یقین کی بنا پر دم بخود رہ سکتا تھا کہ شاید فنونِ یورپ یہی سکھاتے ہونگے لیکن اب میری چیخ میرے قابو سے باہر ہے۔ کیونکہ یورپ اگر ایک طرف مادیت کے فتح کرنے میں مصروف ہے۔ تو دوسری طرف وہ اُن جذبات کی بھی قدر کرتا ہے جن کی طرف توجہ کرنا اُس کے مقلدین اپنی ذلت سمجھتے ہیں +

گیتان جلی میرے سامنے ہے۔ اور ایک مہذب نوجوان کی تصویر

پیشِ نظر کہ اگر اُس کو علم نہ ہو کہ گیتانجلی کی قدر یورپ کر چکا ہے۔ اور میں اس کتاب کے تخیلات اُس کے سامنے پیش کروں۔ تو وہ ایک اندازِ حقارت کے ساتھ منہ پھیر لے کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ اُن مزخرفات پر توجہ کروں۔ یہاں تک نوبت [illegible] ہے کہ اب بھی یاد رہے اس عالم [illegible] کہ یہ بھی ایک دروازہ ہے مگر خود اپنی مادری زبان کا بھی کبھی غور سے مطالعہ کریں۔ جبکہ یہاں اس سے قبل خدا جانے کتنی ایسی کتابیں لکھی جا چکی ہیں ؂

پھر جب ارتقاء انسانیت کی حالت یہ ہے اور کارگاہ قابلیت کا یہ عالم۔ تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ لوگ جو ادبی روحانیت و روحانی ادب سے اتنا [illegible] قابلیت قرار دے چکے ہیں ایسی وہ لوگ جو ذوقِ شعری [illegible] اس سے متنفر ہیں کہ یورپ اُن کا مرشدِ مقدس اس طرف متوجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پاکیزہ ترین ادبی مذاق کو خرابی سمجھے اس بنا پر کہ اُن کے پیرِ مغاں کا وہ مسلک نہیں ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے اپنے محاسنِ قومی و خصوصیاتِ مذہبی سے یکسر روگردانی اختیار کرلی اس خیال سے کہ وہ ایک مدعیِ تہذیب قوم کے نزدیک افسانہائے پارینہ ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے ترکِ انسانیت کا درس معاشرتِ یوروپ کے بہیمانہ پہلو کو دیکھ کر حاصل کیا۔ وہ لوگ جنہوں نے افرنجیت کی جانب ایک انجذاب گدایانہ اپنے اندر پیدا کیا۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے اجزاءِ ہستی کو یوروپیت میں تحلیل کرنے کے لئے ملعون ترین وسائل کے سامنے بھی اپنا سرِ عجز جھکا دینے میں ایک لمحہ کے لئے دریغ نہ کیا۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے نفوس کی دیوانگی و جنون کی کیا حالت ہوگی۔ جب وہ دیکھینگے کہ وہ مرشد مقدس۔ وہی پیرِ مغاں۔ وہی افرنجیت ویوروپیت جس کی شیفتگی میں اُنھوں نے اپنا جامۂ انسانیت تار تار کر کے رکھ دیا تھا جس کی تقلید کے سودا میں اُنھوں نے اپنی روحانیت کو پاش پاش کر ڈالا تھا۔ خود روحانیت و انسانیت کی طرف مایل ہے!!

ہر گلے میں قمیص ہے اور اُس میں گریبان۔ ہر شخص کے رہنے کا ایک

مکان ہے اور اس میں دیواریں۔ ہاتھوں کی جنبش اگر سلب نہیں ہوئی سروں میں اگر حرکت باقی ہے تو گریبان کو پرزے پرزے۔ اور سر کو دیواروں کے سامنے لہولہان ہم بھی دیکھنا چاہتے ہیں +

یہ امر یقینی ہے کہ میری اس تحریر سے پبلک کا ایک حصہ بہت برہم ہوگا۔ لیکن وہ باور کرے کہ اگر میں اپنے ہجوم جذبات کی ذرا بھی رعایت مدنظر رکھتا۔ تو دفتر کے دفتر تیار ہو جاتے۔ لیکن میں نے اپنی طبیعت پر سخت جبر کیا اور سوائے چند ناقابل ضبط تاثرات کے کہ ان پر مجھے قابو نہ تھا۔ اپنے تجربات کا تذکرہ نہیں کیا۔ ورنہ ان کی تلخی اور زیادہ ناگوار ہوتی۔ خیر۔ یہ بیان تو اس صدمہ کی بناء پر تھا جو پبلک کی بدمذاقی سے مجھے پہنچا ہے۔ اور جسے اس کتاب کے مطالعہ نے اور شدید کر دیا ہے۔ اب میں ٹگور کی شاعری پر ایک نظر ڈالتا ہوں۔ جو اصل مدعا میرا ہے +

دو چیزیں شاعری کی جان ہیں تخیل کی رنگینی مگر عمق کے ساتھ۔ زبان کا ترنم مگر سادگی لئے ہوئے۔ اور جس شخص کی شاعری میں یہ دونوں باتیں توازن کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ اُس کو ہم مکمل شاعر کہتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تخیل میں جدت و رنگینی ہوتی ہے۔ لیکن علو نہیں ہوتا۔ علو ہوتا ہے مگر رنگینی نہیں پائی جاتی۔ زبان میں ترنم ہوتا ہے مگر سادگی نہیں۔ سادگی ہوتی ہے تو ترنم نہیں لیکن ایسے لوگ جن کی شاعری ان سب صفات کی جامع ہو بہت کم ہوتے ہیں:۔

اس میں کلام نہیں کہ جب شاعری کے انتہاء ارتقاء میں روحانیت و تصوف کے سوا اور کچھ نہیں رہ جاتا تو جذباتِ عالیہ پیدا ہونے لگتے ہیں۔ لیکن زبان کی حلاوت۔ الفاظ کی شیرینی اور پھر انداز بیان کی خصوصیات یہ وہ باتیں ہیں جو تکمیل شاعری کے لئے تصوف سے کسی طرح کم نہیں اور جن میں کسب کو بالکل دخل نہیں ہے۔ اب اس معیار سے اگر ٹگور کی شاعری کو دیکھئے گا تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ بنگالی شاعران

دونوں باتوں سے محروم نہیں۔ اگرچہ اصل زبان (بنگالی) کے جاننے
والے اس سے کماحقہ فیض اٹھا سکتے ہیں لیکن جہاں تک ترجمہ اس میں مدد
دے سکتا ہے۔ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح ٹیگور جذباتِ عالیہ
سے بحث کرتا ہے۔ اسی طرح اُس نے زبان کی ترنم پائی ہے جس
جدّتِ تشبیہات نے ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے۔ سب سے پہلا
تاثر جو اس کی نظموں کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ وہ تاثر موسیقیت ہے یعنی وہ
فطری موسیقی جو نہ صرف انسان بلکہ ہر ذی روح مخلوق کا خمیر اوّلین ہے
لرزش میں آجاتی ہے اور سننے والا ایسا محسوس کرنے لگتا ہے گویا وہ اس
عالم میں ہی نہیں۔ اور اُس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ٹیگور نے
خود بہترین اشاراتِ غنا سے کام لیا ہے اور کوئی نظم ایسی نہیں جس میں
نغمہ و سرود۔ بربط و نے سے ادائے مطلب میں استعارہ نہ کیا گیا ہو۔
یہاں تک کہ وہ کہیں خدا کو بھی آشنا یا ناآشنا مغنّی سے تعبیر کرتا ہے +
ہندوؤں میں ایک خاص طبقہ متصوفین ایسا ہے جو وجودِ باری کو

صرف صوت و صدا کا مفہوم معنوی سمجھتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آواز
کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک وہ جو بلا واسطۂ موجوداتِ ممکنہ پائی جائے جسکو
اپنی اصطلاح میں اناھد کہتے ہیں۔ یعنی وہ صوت سرمدی جو ہمیشہ
سے ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ اور دوسری وہ جو دو چیزوں کے تصادم و تصادم سے
سے پیدا ہو جس کو وہ اھد کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی اناھد کا
کا مفہوم یہی ہے۔ اور سلطان الاذکار سے مراد یہی صوتِ سرمدی ہے
چنانچہ سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے فرمایا ہے کہ "ما را در
روزِ میثاق ندائے اَلَستُ بِرَبِّکُم در آہنگ پوربی بگوش رسیدہ بود"
ہندوؤں کے ہاں موسیقی سے اسقدر عبادت کا کام لیا گیا کہ ہر راگ
کی ایک جدا دیوی مانی گئی اور اس کی ایک صورت فرض کی گئی تاکہ تصور
و مراقبہ میں اس کی مدد سے ایک انتہائے استغراق کی کیفیت پیدا ہو۔
چنانچہ ایک دن میں گیتان جلی کے انگریزی اڈیشن کو حضرت اکبر الٰہ آبادی
کے پاس لئے بیٹھا تھا۔ انہوں نے ٹگور کی تصویر کو دیکھ کر فرمایا کہ "کھماچ

(راگنی) کی تصویر بالکل اسی طرح بنائی جاتی ہے۔" بہرحال اس میں شک نہیں کہ اگر موسیقی کوئی زبان اختیار کر سکتی ہے۔ اور وہ ذریعہ اظہار جذبات کا ہو سکتی ہے۔ [illegible] ٹیگور کی یہ تصنیف جس [illegible] شمار کی جائیگی جیسا کہ [illegible] گیتانجلی کو Song Offering یعنی عرض نغمہ نذر گیت ہے۔ انداز بیان کا عجز۔ لہجہ کی فتادگی۔ الفاظ میں ایک خاص مسکنت یہ سب مل کے کچھ ایسی رقت پیدا کر دیتے ہیں کہ بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں اور کچھ ایسا سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ جیسے کوئی فقیر لذت موسیقی سے سرشار کوئی چیز تنہا جنگل میں بیٹھا ہوا گا رہا ہو۔ اور خود ہی کبھی رو بھی پڑتا ہو۔

مسٹر ییٹس اس کتاب کے دیباچہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "یہ نظمیں نہ تو خوشنما جلدیں خاتونوں کے میز کی رونق ہو سکتی ہیں۔ ایسی خاتونیں جن کو سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم کہ مضمحل ہاتھوں سے ورق گردانی کیا کرنا اور اپنی زندگی پر ٹھنڈی سانسیں بھرنا ہی مآل زندگی

ہے۔ اور نہ متعلّمین یونیورسٹی ان کو اپنے ساتھ رکھیں گے۔ کیونکہ جب عملی زندگی (مادّیت) پر انہیں درس دیا جائیگا تو وہ سوائے اسکے کہ اسے اٹھا کر طاق پر رکھدیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک زمانہ وہ آئیگا جب راستہ چلنے والے انہیں راہ میں گنگنایا کرینگے۔ اور کشتیوں کے اوپر ملّاح انہیں الاپا کرینگے۔ ایک عاشق اپنی معشوقہ کے انتظار میں۔ ایک محبوبہ اپنے محبّت کرنے والے کی یاد میں انہیں گائے گی اور محبت حقیقی کے اس طلسمی چشمہ میں جو ان کے اندر نہاں ہے۔ انکے جذبات ڈوب ڈوب کر تجدیدِ شباب کا لطف اُٹھایا کرینگے"۔

جس طرح ٹگور نے ہر جگہ موسیقی کی زبان میں اظہار جذبات کیا ہے۔ اسیطرح اُس نے رنگ و تعطّر سے بھی اپنی دلبستگی کا ثبوت دیا ہے۔ کنول کے پھول کا بار بار ذکر اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اُسے ہند کی پُرانی شاعری کے ساتھ۔ جس کا عنصرِ عظیم کنول اور کنول کی باتیں ہیں۔ ایک خاص لگاؤ ہے۔ اور صبح و شام کی شفقی و یاسمینی

مناظر کا مختلف صورتوں میں بیان۔ اس امر کا ثبوت ہے کہ تگور فطرتاً مناظر قدرت میں جذب ہو جانے والی نگاہ اور اُن کی رنگینیوں میں ڈوب جانے والا دل لے کر آیا ہے۔

وہ طوفانی راتوں کا تذکرہ کرتا ہے اور دو لفظوں میں ایسی تصویر کھینچکر رکھ دیتا ہے کہ ساری باتیں۔ ساری بالیدگیاں۔ تمام اضطراب و وحشت کی صورتیں جن سے ایک انسان ایسی حالت میں متاثر ہو سکتا ہے پیش نظر ہو جاتی ہیں۔ وہ بہار کا سماں دکھلاتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی ساری شگفتگی و نکہت۔ رنگینی و موسیقیت دل کے اندر سمائی جاتی ہے۔ ایک جگہ وہ گرمی کا حال بیان کرتا ہے۔ بے اختیار پانی کی خواہش محسوس ہونے لگتی ہے۔ غرضکہ وہ جب کسی منظر کی تصویر کھینچتا ہے تو تلاش کر کے ایسے الفاظ لاتا ہے جو فوراً ہی سامع کو مسحور کر لیتے ہیں۔ مگر اُسی کے ساتھ یہ بات عجیب ہے کہ کسی وقت و موسم۔ کسی زمانہ و حالت کا ذکر ہو۔ لیکن اصل رنگ نہیں چھوٹنے پاتا۔ بارش کا حال بیان کرے گا

تو یہ معلوم ہوگا کہ واقعی مینہ برس رہا ہے۔ لیکن یہ بیان کوئی مستقل بیان نہ ہوگا۔ بلکہ انہیں جذبات حقیقی کے ساتھ ساتھ ضمناً اس کا بھی ذکر ہوگا گویا کسی نقاش کا ایک تیز و سبک رفتار قلم ہے جس کو دکھانا تو مقصود ہے صرف کسی واقعہ کا لیکن وہ اسی تصویر کے ساتھ اِدھر اُدھر کاغذ پر کہیں کہیں ایسے نشاناتِ لمس بھی چھوڑتا جاتا ہے۔ جس سے اس موقع کی فضا بھی اسی طرح متاثر معلوم ہوتی ہے۔

ہر چند ہماری زبان میں اس خصوصیت کی کمی نہیں۔ اور بعض بعض حضرات نے جن میں میر انیسؔ لکھنوی کا رُتبہ بہت زیادہ بلند ہے۔ مناظرِ قدرت کی مصوّری میں تکمیل کے لئے ایک نقطہ کی بھی جگہ نہیں چھوڑی۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں کہ ٹگور کی شاعری اُن کے سامنے پسِ پشت ڈال دی جائے۔ جوہرِ قابل کہیں ہو اور کسی حالت میں ہو عزّت کا مستحق ہے۔ سمندر سے کتنے موتی نکلتے ہیں لیکن ہر موتی اپنی وقعت جدا چاہتا ہے۔

اس کتاب میں جتنی نظمیں ہیں۔ قریب قریب سب میں مختلف کیفیاتِ قلب کے ساتھ نوعِ انسان اور ذاتِ باری کے باہمی تعلقات کا اظہار ہے۔ اور بعض بعض جگہ ایسے لطیف استعارات و بلیغ کنایات سے کام لیا گیا ہے کہ بے اختیار داد دینی پڑتی ہے ؎

ایک جگہ اپنے کو مغنّی فرض کر کے خدا سے خطاب کرتا ہے۔ اور اُس کے انعامات سے متاثر ہو کر اس دل آویز انداز میں اظہارِ شکر کرتا ہے:-

"جب تو مجھے گانے کا حکم دیتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا قلب فخر و غرور سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ میں تیری صورت دیکھتا ہوں اور میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں"

لیکن اس سے زیادہ پُر رمز و لطیف پُر درد الفاظ یہ ہیں کہ:-

"میں مسرتِ سرود سے سرشار ہو کر اپنے تئیں بھول جاتا

ہوں۔ اور تجھے اپنا دوست کہتا ہوں حالانکہ تو میرا مالک و

آقا ہے"۔

محبوب کے لطف و پرستش سے متاثر ہوکر اور اُس کے الطاف و

نوازش کی سمائی اپنے قلب میں نہ پاکر یہ کہنا کہ میرا قلب فخر و غرور سے

ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ اور پھر فرطِ تاثر میں صورت دیکھنا اور

رو پڑنا۔ یہ وہ حقیقی جذبات ہیں جو غیر فانی لذّات سے معمور ہیں جن سے

اثر پذیر ہوکر شاعر خود کہہ اُٹھا کہ :۔

"میں مسرّت و سرود سے سرشار ہوکر اپنے تئیں بھولجاتا ہوں"

ایک جگہ خدا کو مغنّی مانکر۔ اور مغنّی کیا بلکہ خود غنا یعنی اناھد سمجھ کر پہلے

اظہارِ تعجّب کے ساتھ یوں خطاب کرتا ہے کہ :۔

"اے میرے آقا۔ مجھے نہیں معلوم تو کس طرح گاتا ہے!

میں ہمیشہ اک خاموش حالتِ تحیّر میں سنا کرتا ہوں"۔

اور پھر آگے آپ ہی اس اناھدِ مسلسل۔ اس غناءِ غیر منقطع۔ اس صورت

سرمدی کی کارفرمائیوں اور جلوہ پاشیوں کا بیان ان الفاظ میں کرتا ہے کہ :-

"تیری موسیقی کی روشنی عالم کو منور کر رہی ہے۔ تیری موسیقی کا نفسِ حیات ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک دوڑا پھرتا ہے"۔

اسی سلسلۂ سخن میں وہ پھر اپنی تمنائے ناکام کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ:

"میرا قلب آرزومند ہے کہ تیرے نغمہ میں شریک ہو جائے۔ لیکن ایک آواز کے لئے بیکار تڑپ رہا ہے میں بولتا ہوں لیکن بول نغمہ نہیں بنتے۔ لاچار عاجز ہو کر چیخ اٹھتا ہوں"

یہ فقرہ کہ "ایک آواز کے لئے بیکار تڑپ رہا ہے" کیسی پر لطف معنی خیز اور پاکیزہ مثال حسنِ بیان کی ہے۔ اور پھر یہ دیکھ کر کہ "بول نغمہ نہیں بنتے" عاجز ہو کر چیخ اٹھتا ہوں" اپنے اندر کسقدر تاثرات اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے۔ انداز بیان ایسا ہی تو ہے۔ لاکھ الفاظ اظہار ناکامی کے لئے لائے

لیکن جو وسعت اس "عاجز ہو کر چیخ اُٹھنے" میں ہے کسی طرح اُس کا اندازہ ہو ہی نہیں سکتا ٭

شعرائے فارسی نے ان جذبات کو بڑے بڑے پاکیزہ و لطیف انداز میں ظاہر کیا ہے۔ علی الخصوص بیدل نے جو تخیل کی رنگینی و عمق میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اب ذکر آ گیا ہے تو جی نہیں چاہتا کہ بغیر دو چار شعر لکھے آگے بڑھ جاؤں۔ ایک جگہ لکھتا ہے :-

لبے کز گفتگو خوں شد نوائے ساز من دارد
بہر جا خامشی بینی زبانِ راز من دارد
شکستِ رنگِ جرأت میکشاید بالِ اظہارم
تپید نہائے بسمل شوخیٔ آوازِ من دارد

کُنہ حقیقت سمجھنے اور بیان کرنے کی ناکامیوں کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ وہ لب جو مجروحِ گفتگو ہے۔ جس کی گفتگو نے باوصف اس کے کہ وہ ختم نہیں ہوئی اُسے زخمی کر دیا ہے۔ حقیقتاً میرے نوائے ساز کا

حائل ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب نغمہ کا ساز ایک خول شدہ لب عاجز ہوگا وہ نغمہ کیا ہوگا۔ اور جہاں تحیّر و خاموشی دیکھو یہ سمجھ لو کہ میری زبان راز یہی ہے۔ پھر وہ حال جو زبانِ خاموشی سے بیان کیا جائے۔ کیا کچھ سامانِ حیرت اپنے اندر نہ رکھتا ہوگا۔ پھر کہتا ہے کہ اظہارِ حقیقت کا اپنے پر و بال کھولنا عین رنگ جرأت کی شکست ہے اور عالم کی ایک تپیدگی میری شوخی آواز ہے یعنی میرا ہمّت ہار دینا ہی اظہارِ حقیقت کر رہا ہے۔ اور دنیا کی یہ بیقراری و بے چینی جس سے ہر ہر ذرّہ آشنا ہے میری آواز ہے۔ جس سے ذات باری کے جمالِ جہاں آرا کے اثرات کا پتہ چل سکتا ہے کہ باوصف اس تراکمِ جلوہ کے بھی اس کا ادراک محال ہے۔ ایک جگہ اور اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے :۔

بیدلؔ آں گوہرِ نایاب سُراغ　　　محیطے است کہ پرسیدن نیست

عکس انتلوہ در آئینہ ہوش　　　گل تواں گفت ولے چیدن نیست

نسخہا در بغل و فہم محال   جلوہ ہا در نظر و دیدن نیست

آئینہ میں پھول کا عکس پڑے گا تو اُسے پھول ہم کہیں گے۔ لیکن توڑ نہ نہیں سکتے۔ یہی حال ذاتِ باری کے پرتوِ جمال کا ہے کہ ہر قلب میں ہے۔ لیکن سوائے اس کے کہ بس یہ جان لیں وہ ہر قلب کے اندر ہر ہستی میں جلوہ فگن ہے حقیقت جلوہ سے آگاہ نہیں ہو سکتے جبکہ وہ یوں ظاہر کرتا ہے کہ "جلوہ ہا در نظر و دیدن نیست" نگاہوں میں اُسکے جلوے بسے ہوئے ہیں۔ لیکن اُنہیں دیکھے کون؟

زدلِ فسردہ بنالہ نہ رسید تاب بہ تپِ نفس
بُبرید ناخنِ مطرب از گرہ بریشمِ چنگ ما

سازِ دل کی خموشی و افسردگی کا حال بیان کرتا ہے کہ ناخنِ مطرب اس گرہ ریشم سے زخمی ہو گیا لیکن شیونِ نغمہ۔ نالہ لحن کا کہیں کوسوں پتہ نہ تھا۔ جنبشِ مضراب سے تاروں میں لرزشِ آواز کا پیدا ہونا ضروری ہے لیکن اس افسردگی کا کچھ ٹھکانا ہے کہ باوصف اِس سعی کے کہ مطرب کی

اُنگلیاں بجاتے بجاتے زخمی ہوگئیں مگر لرزشِ تار کو نغمہ نہ ہونا تھا نہوئی

ایک اسی مضمون کو بیدل نے اسقدر تنوع کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اگر کوئی یکجا کرنے کی کوشش کرے۔ تو کئی گیتانجلی تیار ہوجائیں لیکن یہ محنت کون کرے اور کس کے لئے!

اسمیں شک نہیں کہ کوئی ایسی بات لکھنا جو کسی کو نہ سوجھی ہو مشکل ہے لیکن اس سے زیادہ مشکل اُن مضامین کا ادا کرنا ہے جن سے ایک حساس طبیعت ہر وقت متاثر ہوتی رہتی ہے۔ اور جن کا قید الفاظ میں لانا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ ٹیگور نے بعض جگہ ان تاثرات کو ایسے سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے لکھتا ہے کہ

"میں تو صرف اتنی عنایت چاہتا ہوں کہ ایک لمحہ کے لئے

تیرے پاس بیٹھ جاؤں۔ اور کام جو میرے پاس ہیں۔

اُنہیں تو میں پھر بھی ختم کر لونگا"!

بقولِ مصحفی ؎

تیرے ہوتے جو مجھے یاد بھی آیا کوئی کام　　میں نے موقوف اُسے وقتِ دِگر پر رکھا

صرف ایک لمحہ کی حضوری کے لئے تمام کاموں کو ملتوی کر دینا۔ اور اُس کا اظہار ان الفاظ میں۔ اس لب و لہجہ میں۔ خدا جانے کیا عالمِ تاثرات اپنے اندر نہاں رکھتا ہے ؛

ایک جگہ بیانِ حسرت و آرزو اس طرح کرتا ہے کہ:۔

"میں اُس مِل رہنے کی اُمید پر جی رہا ہوں۔ لیکن وہ ملنا ابتک نہیں ہُوا" ؛

التجائے شوق کے ساتھ عالمِ یاس و نامرادی اور حالتِ انتظار میں جو جی پر گزر جائے۔ یا گزرنے والا ہو۔ اُسے یوں ظاہر کرتا ہے کہ:۔

"اگر تو مجھے اپنی صورت نہ دکھائے گا۔ اگر تو مجھے بالکل تنہا چھوڑ دیگا تو میں نہیں جانتا کہ یہ برسات کے طویل گھنٹے کیونکر کٹیں گے" ؛

"اگر تو مجھ سے بات نہیں کرے گا تو میں اپنے قلب کو
تیری خاموشی سے بھر لونگا اور برداشت کروں گا"۔

"میری مسرت اسی میں ہے کہ یونہی تیرا انتظار کیا کروں
اور یونہی تیری راہ تکتی رہوں"۔

"آسمان بادلوں سے گھرا ہوا ہے۔ بارش بند نہیں ہوتی
مجھے نہیں معلوم وہ کیا ہے جو میرے اندر بیتاب ہے"۔

"میں ایک بھکاری لڑکی کی طرح منہ پر آنچل ڈالے بیٹھی
ہوں... اور جب لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں کیا چاہتی
ہوں تو میں اپنی آنکھیں جھکا کر رہ جاتی ہوں اور انہیں کوئی
جواب نہیں دیتی۔ اور آہ حقیقتاً میں ان سے کہہ بھی کیسے

سکتی ہوں کہ مجھے تیرا انتظار ہے۔ تو نے آنیکا وعدہ کیا ہے"

ان سے زیادہ پُر اثر و سادہ طریقہ اظہار جذبات کا اور کیا ہو سکتا ہے

اب میں چند مثالیں ایسی پیش کرونگا۔ جن سے ٹگور کی معنی آفرینی اور وسعت خیال پر کافی روشنی پڑیگی +

"اگر اس زندگی میں تجھ سے ملنا میرا حصّہ نہیں۔ تو کم از کم یہ تو ہمیشہ مجھے محسوس ہی کرنے دے کہ میں تیرے نظارہ کو کھو بیٹھا ہوں"+

کسی کے نہ ملنے سے یہ تخیل پیدا ہونا اور ایسا محسوس کرنا کہ میں ہی اسکے نظارہ کو کھو بیٹھا ہوں۔ ایسا جذبۂ عالیہ ہے جس سے ایک خاص قسم کی متصوفانہ خوئے تسلیم کا اظہار ہوتا ہے +

ایک جگہ فلسفۂ حیات کو اک صوفی کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ:۔

"وہ، وہی زندگی ہے جسے فنا و بقا کے بحری گہوارہ مد و جزر میں لوریاں دیجاتی ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ

میرے اعضاء اس دنیائے حیات کے مس سے شاندار بن گئے ہیں۔ اور میرا غرور میرے خون میں رقص کر رہا ہے"

ایک جگہ قوت عمل میں تحریک پیدا کرتا ہے۔ اور کام کرنے پر ان الفاظ میں آمادہ کرتا ہے کہ:-

"کیا تیرے عمق دل میں کوئی مسرت نہیں ہے کیا تیرے

ہر ہر قدم پر ساز ہائے درد کے نغمۂ شیریں میں تبدیل نہ ہو جائیگا"

ایک جگہ خالق و مخلوق۔ صانع و مصنوعات کے اتصال کو کس رازدارانہ عمق کے ساتھ بیان کرتا ہے:-

"میری نگاہیں دور و نزدیک بھٹک چکی تھیں قبل اس کے

کہ میں نے بند کر لیا اور کہا کہ "تو یہاں ہے" یہ سوال و

آواز کہ "آہ کہاں" ہزار ہا چشموں کے آنسوؤں میں پگھل

کر رہ جاتی ہے اور "میں ہوں" کا سیل ایقان عالم میں طوفان

برپا کر دیتا ہے"۔

الطاف خداوندی کا شمار کرتے ہوئے اپنی بہت سی خواہشات پوری نہ ہوتے کیسی تسلی بخش تاویل کرتا ہے کہ:-

تیری خواہشیں بہت ہیں اور میری صدا قابل رحم۔ مگر تو نے اپنے شدید انکارات کی وجہ سے مجھے ہمیشہ محفوظ رکھا اور یہ قوی رحم اندر ہی اندر ہمیشہ کام کرتا رہا۔ روز بروز تو مجھے ان عطایائے سادہ و عظیم کا اہل بنا رہا ہے جنہیں بلا طلب ہجوم خواہشات سے بچا کر تو مجھے عنایت کرتا ہے۔ (اور وہ عطایا کیا ہیں؟) یہ آسمان و زمین۔ یہ جسم۔ یہ حیات و نفس!"

قلب انسانی کو جمال خداوندی کا جلوہ گاہ ظاہر کرتا ہے کہ:-

"اُس دن جب کنول کھلا۔ افسوس میرا قلب بھٹکتا پھر رہا تھا۔ اور میں اُس سے بےخبر تھا . . . . ایک غم میرے

اوپر طاری ہوا ہیں اپنے خواب سے چونک پڑا۔ اور
بادِ جنوب میں ایک عجیب و غریب نکہت کا شیریں سراغ
میں نے پالیا۔ اس آوارہ شیرینی نے میرے قلب
میں آرزو سے ایک درد پیدا کر دیا۔ مجھے یہ معلوم ہوتا
تھا کہ موسم بہار کا پُرآرزو نفس اپنی تکمیل کا متجسّس ہے۔
مجھے اس وقت یہ نہ معلوم تھا کہ وہ اسقدر قریب ہے کہ
گویا میری اپنی ہی ہے اور یہ مکمل شیرینی میرے ہی
عمیق قلب میں شگفتہ ہو رہی ہے"۔

کسی چیز کا اسقدر قریب ہونا کہ شدّت قرب سے یہ خیال پیدا
ہو کہ گویا اپنی ہی ہے۔ کچھ عجیب تخیل ہے۔ جس سے شاعر کے حس
کی انتہائے پاکیزگی وجدّت ظاہر ہوتی ہے۔

سعی و عمل کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتا ہے۔ اور یہ ظاہر کرتے ہوئے
کہ "مجھے اپنی کشتی ڈال دینا چاہئے۔ بیکار گھنٹے ساحل پر گزرے جاتے

ہیں "کیسی دلکش ترغیب دیتا ہے کہ:-

"تم کیا حیرت سے تک رہے ہو۔ کیا تم اک لرزش

اُس نغمۂ لبعید سے ملی ہوئی ہوا کے درمیان گزرتی ہوئی

محسوس نہیں کرتے کہ:-

وقت کے ضائع کرنے پر تاسف کرتا ہے کہ:-

"وہ آیا۔ اور میرے پہلو میں بیٹھ گیا۔ لیکن میں نہ جاگا۔ ہائے

وہ نیند کیسی کمبخت نیند تھی۔ ذلت ہو میرے لئے۔ وہ

آیا جب رات خاموش تھی۔ اُس کے ہاتھ میں اُس کا

بربط تھا۔ اور اُس کے نغموں سے میری نیندیں معمور

تھیں۔ افسوس میری راتیں اسی طرح ضائع ہوتی جاتی

ہیں۔ آہ! میں کیوں ہمیشہ اُس کا دیدار چوک جاتا

ہوں جس کی سانس میری نیند کو چھو جاتی ہے"

ایک جگہ خدا سے خطاب کرتا ہے کہ:-

"یہ کہ میں تجھے چاہتا ہوں اور صرف تجھی کو۔ میرے قلب کو
اس کی تکرار بے نہایت کرنے دے۔"

کیا لذت بخش تکرار ہے۔ ایک کیسی برہنہ خواہش ہے۔ اسی انداز میں آگے چلکر اس تکرارِ آرزو کا شدت سے بہ الفاظِ دیگر دہرا دیا ہے کہ:

"جس طرح رات اپنی تاریکی میں التجائے روشنی پنہاں رکھتی ہے۔ اسی طرح میری بے خبری کے عمق میں یہ آواز گونجتی ہے کہ میں تجھے چاہتا ہوں اور صرف تجھی کو۔ جس طرح طوفان جب وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ امن شکن ہوتا ہے، وہ نہایت بھی امن ہی میں تلاش کرتا ہے۔ اسی طرح میرا تمرد تیری محبت کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ اور پھر بھی صدا یہی ہے کہ میں تجھے چاہتا ہوں صرف تجھی کو۔"

رات کی تاریکی میں التجائے روشنی کا پنہاں ہونا۔ طوفان کا۔ باوجود

امن شکنی۔ اپنی انتہا امن ہی میں تلاش کرنا۔ یہ وہ پاکیزہ و فلسفیانہ تخیلات ہیں۔ جن پر ٹگور جتنا بھی فخر کرے کم ہے +

حالتِ انتظار کی کیفیات ملاحظہ ہوں :-

"صبح سے شام تک میں اپنے دروازہ پر بیٹھی رہتی ہوں
اور جانتی ہوں کہ خوشی کی گھڑی اچانک آجائے گی۔ اسی
اثنا میں مسکرا پڑتی ہوں اور گانے لگتی ہوں کہ ہوا (کسی
کے) بوئے پیمان سے مجھے لبریز کر دیتی ہے"۔ ۵

پیراہن بیر نگ ہوا مست عبیری ست   یارب خبر شوخیٔ مژگان کہ دارد

ہوا کا بوئے پیمان سے لبریز کر دینا کیسا مکیفت انداز بیان ہے۔ اور جو خاص لطفِ کنایہ اسمیں ہے اُس کا کیا پوچھنا۔ انتظار میں تخیل کا حسن وسعت۔ اک ادائے تسلیم کے ساتھ انتہائے محویت میں یوں لطفِ تمنا اُٹھانا اور پھر ایسا محسوس کرنا کہ گویا ہوا خود مست و سرشار ہے۔ اور مجھے نشۂ پیمان سے وارفتہ بنائے دیتی ہے۔ خدا جانے کیا قیامت ہے

تماشاخانۂ تسلیم سیر عالمے دارد   حضورِ گلشنِ بے اختیاری کردہ رنگینم

سوائے جمالِ خداوندی کے اور تمام مناظرِ عالم کی طرف سے آنکھیں بند کرلینا اس کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ :-

"آہ، میری، میری قیمتی نیند۔ جو غائب ہونے کے لئے صرف اُس کے مس کا انتظار کر رہی ہے۔ آہ میری بند آنکھیں جن کے پپوٹے صرف اُسی کے ضیائے تبسم میں کھلیں گے جب وہ نیند کی تاریکی سے پیدا ہونے والے خواب کی طرح، میرے سامنے آکھڑا ہوگا۔ تمام روشنیوں تمام صورتوں سے پہلے اُسی کو میری نگاہوں کے سامنے ظاہر ہونے دو۔ میری بیدار روح کا اولین رعشہ مسرت اُسی کے نظارہ سے حاصل ہو۔ اور میرا اپنے آپ میں واپس آنا۔ فوراً اُسی کے پاس واپس ہونا ہو"۔

نیند کا یہ انتظار کہ کوئی مجھے اگر چھوئے تو میں غائب ہوں، پپوٹوں کی

یہ ضد کہ ہم کھلیں گے تو کسی کے ضیاءِ تبسم ہی میں کھلیں گے۔ بیدار ہی روح کا اپنا اولین رعشۂ مسرت کسی کے نظارے سے حاصل کرنے کی خواہش اور پھر یہ تخیل کہ اپنے آپ میں واپس آنا فوراً اُس کے پاس واپس ہونا ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان اچھوتے تخیلات کی داد کیونکر دی جائے۔

میں یہانتک ٹگور کی شاعری پر دو پہلوؤں سے نظر ڈال چکا۔ ایک تو تاثرات قلبی کا نہایت سادگی و بیساختہ پن سے بیان کر دینا دوسرے نزاکتِ معنوی و جدت آفرینی کے ساتھ وسعتِ تخیل کو الفاظ میں ضبط کر لینا۔ لیکن تیسری خصوصیت ایک اور ہے جس کا ذکر میں شروع کے صفحات میں کر چکا ہوں کہ وہ مناظرِ فطرت کے دکھانے میں بھی کمال رکھتا ہے۔ صبح و شام۔ روز و شب۔ مختلف اوقات و مختلف حالات کی تصویر کھینچتا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ صرف ایک فقرہ میں وہ ایسے الفاظ جمع کر دیتا ہے جس سے پورا سماں آنکھوں کے پھر جاتا ہے۔ اور مزید لطف یہ کہ جتنی تشبیہیں لکھتا ہے۔ جتنے استعارات لاتا ہے

سبب ہیں ایک اچھوتا پن ہوتا ہے اور ذہنِ سامع فوراً اُس کی لذّت میں غرق ہو جاتا ہے۔ ایک جگہ اُس کو یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ صبح ہوتے ہی چڑیاں کثرت سے بولنے لگیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس حالت کو یوں ظاہر کرتا ہے کہ:-

"صبح کا تجسّم ہوتے ہی دولت [illegible] اسوان [illegible] تر [illegible]
ہو گیا تھا۔ [illegible] سے۔ [illegible] دولت زر
بادلوں کے شگاف میں پھیلی پڑی تھی"۔

بادلوں کے ٹکڑوں کی جو حالت طلوعِ آفتاب کے وقت ہوتی ہے۔ اُس کے اظہار کے لئے اِس سے بہتر صورت ممکن نہیں کہ "دولتِ زر بادلوں کے شگاف میں پھیلی پڑی تھی"۔ دوسری جگہ صبح کا ہونا یوں ظاہر کرتا ہے کہ:-

"صبح اپنا زرّیں بربط لئے ہوئے آئی"۔

تیسری جگہ یوں بیان کرتا ہے کہ:-

"طلوعِ آفتاب زمین کو زرّیں تاج پہنانے آیا۔"

کلفتِ جدائی کا حال بیان کرتا ہے۔ اور موسمِ گرما سے استعارہ کرتا ہے

کہ:-

"اُفق خوفناک طریقہ سے عُریاں ہے۔ نرم بادل کی باریک سی باریک چادر بھی نہیں۔ دور کی ٹھنڈی بوچھاڑ کا آوارہ سے آوارہ اشارہ بھی نہیں۔"

"آسمان ہانپتا ہے۔ دوپہر کی حدّتِ آفتاب سے کانپ رہا ہے اور جلتی ہوئی ریت اپنی پیاس کی چادر پھیلا رہی ہے۔"

ایک وقت کی تصویر کیسے پیارے الفاظ میں کھینچتا ہے کہ:-

"تیتریاں! اپنے بادبان روشنی کے سمندر پر پھیلا دیتی ہیں۔ کنول اور یاسمیں امواجِ ضیا کی

چوٹی پر لہرانے لگتے ہیں۔ اور بادلوں میں روشنی ٹکڑے ہو ہو کے سونا بن جاتی ہے۔

ایک جگہ تلوار کی صفت بیان کرتا ہے کہ:-

"محترم طائر وشنو کے پھیلے ہوئے بازو کی طرح بجلی کا ساتھ رکھنے والی تلوار غروب آفتاب کی غصہ ناک سرخ روشنی میں تلی ہوئی تلوار"۔

بچوں کی آنکھوں میں نیند کہاں سے آتی ہے؟ اسے ظاہر کرتا ہے کہ:-

"پریوں کے گاؤں میں ایک سایہ دار جنگل ہے۔ اور اس سایہ صحرا میں جو جگنو کی روشنی کی وجہ سے کچھ کچھ جھمک رہا ہے دو نازک کلیاں جادو کی لٹک رہی ہیں۔ وہیں سے یہ نیند آتی ہے"۔

اپنے دنیا سے رخصت ہونے کی تصویر ان پُردرد الفاظ میں کھینچتا ہے کہ:-

مجھے رخصت مل گئی ہے۔ اے بھائیو مجھے خیرباد کہو۔

میں تم سب کے سامنے جھکتا ہوں اور روانہ ہوتا ہوں
اپنے دروازہ کی ساری کنجیاں واپس دیتا ہوں اور اپنے
مکان کے سارے دعوے ترک کرتا ہوں۔ اب میں
تم سے صرف مہربانی کے آخری الفاظ سننا چاہتا
ہوں۔ ہم تم عرصہ تک ہمسایہ رہے ہیں لیکن مجھے ہمیشہ
اُس سے زیادہ ملا۔ جتنا میں نے دیا۔ اب دن نکل آیا
ہے۔ اور چراغ جو میرے تاریک گوشہ کو منوّر رکھتا تھا
گُل ہوگیا ہے۔ پیامِ طلب آگیا ہے اور اب سفر کے
لئے آمادہ ہوں“

ایک جگہ اور اسی حالت کا بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :۔

”یہ نہ پوچھو میرے پاس وہاں لے جانے کو کیا ہے۔
میں اپنے سفر پر خالی ہاتھ لیکن پُر اُمید قلب لیکر جارہا ہوں“

بہرحال یہ امر مسلّم ہے کہ ٹیگور موجودہ دور کے اُن بہترین شعراء میں

شمار کئے جانے کے قابل ہے جو فطری، حقیقی (متصوفانہ) شاعری کا دیوتا رکھتے ہیں۔ طبیعت میں گداز و رقت۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہے عنایت کرے۔ اور ٹیگور کو فخر کرنا چاہئے کیونکہ یہی ایک خصوصیت قلب ہے جس نے اس کے کلام کو ایسا پر اثر، بنیعت دلدادہ زمانہ بنا دیا۔ اب میں اس تبصرہ کو ختم کرتا ہوں۔ اور عکس ترجمہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ؛

(۳)

اس کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں کہ کسی ادبی تصنیف کا پورا لطف اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے۔ جب اصل تصنیف دیکھی جائے کیونکہ ترجمہ میں سارے محاسن کسی زبان کے ضبط ہو ہی نہیں سکتے اور علی الخصوص جب ترجمہ بھی اصل تصنیف سے نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ دوسری زبان کے ترجمے سے ہو۔ لیکن چونکہ گیتانجلی کا انگریزی اڈیشن خود مصنف کا مرتب کیا ہوا ہے۔ اس لئے خیال یہی ہے کہ اصل مفہوم

کے ساتھ ساتھ لطف زبان بھی بہت کچھ منتقل ہوا ہوگا۔ میں نے یہ ترجمہ انگریزی سے کیا ہے۔ اور اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ کوئی لفظ بغیر ترجمہ کے نہ رہ جائے۔ اور کوئی ترکیب ایسی نہ چھوٹنے پائے جس سے لطف خاک میں مل جائے۔ میں نے اکثر جگہ اس بات کی کوشش کی ہے۔ اور میں اس کوشش میں کامیاب بھی ہوا ہوں کہ محل الفاظ میں تغیر نہ ہو۔ اور اس لئے میرا خیال ہے کہ نظم کا نفس مدعا اور زور سخن ہاتھ سے نہ گیا ہوگا +

ایک بات اور قابل گزارش ہے کہ انگریزی لٹریچر میں علاوہ تشبیہات و استعارات کے ایک طریقۂ بیان اور بھی ہے جسکو Transferred epithet. کہتے ہیں۔ اس کا لفظی ترجمہ تو "صفت منقولہ" ہے۔ لیکن ہمارے ہاں کے علم بیان و معانی میں اس کو بزمرۂ مجاز رکھا جا سکتا ہے۔ میں ذرا اس کو واضح طور سے ایک آدھ مثال دیکر سمجھاؤں گا۔ مثلاً ایک فقرہ ہے "غیر فانی ہاتھوں کا لمس" یا "باران جولائی کی تاریکی"۔

لیکن انگریزی میں ہاتھوں کی "غیر فانی" صفت اور جولائی کی صفت "باراں" کو لمس و تاریکی کے ساتھ متعلق کر دینگے۔ اور یوں کہیں گے کہ "ہاتھوں کا غیر فانی لمس" اور "جولائی کی باراں تاریکی"۔ میں نے ترجمہ کرنے میں اس قسم کی ترکیبوں کا بالکل وہی انداز رکھا ہے جو اصل کتاب میں ہے اور اس سے ضرورت یہی منشا نہیں کہ ایک مترجم کا فرض ہی یہ تھا۔ نہیں بلکہ مقصود اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ غیر زبانوں میں جو جدت و ندرت پائی جائے۔ اُس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ اپنی زبان کو وسیع و شگفتہ بنانا ہے۔ میں عرصہ سے اپنے ادبی مضامین نظم و نثر میں اس نوع کی ترکیبوں کا استعمال کر رہا ہوں۔ اور بہت سے بدمذاق مدعیانِ زباندانی کا ہدفِ ملامت بھی بنا ہوں۔ لیکن میں مطمئن ہوں کہ وہ زمانہ دور نہیں جب ان حضرات کو خود اپنی زباندانی سے نفرت ہو جائے گی اور اپنی قدامت پسندی کی کافی سزا مل رہیگی؛ اب میں اس مقدمہ کو ختم کر کے اصل کتاب کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

جس کے لئے آپ بیتاب ہوں گے۔ ارادہ تھا بلکہ ضرورت تھی کہ ہر نظم کا مفہوم بھی مختصراً لکھا جائے۔ کیونکہ بعض نظمیں بہت دقیق ہیں۔ اور یہ بھی خیال تھا کہ ہر نظم کے ہم معنی اشعار جو اپنی یا فارسی زبان میں ہوں درج کئے جائیں۔ لیکن پھر سوال وہی ہے کہ یہ زحمت کس کے لئے گوارا کی جائے۔ اگر پبلک نے اس کی قدردانی کی۔ تو آیندہ وہ بھی ممکن ہے۔ ورنہ اسی کی زندگی کی کیا اُمید ہے۔ تاہم میں نے بعض بعض جگہ فٹ نوٹ میں اشارات درج کر دیئے ہیں۔ شاید مفید ثابت ہوں *

ترجمہ کرنے میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سادگی ہاتھ سے نہ جائے۔ اور اس لئے بہت سہل اور کثیر الرواج الفاظ لائے گئے ہیں۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ بعض جگہ عربی کے الفاظ بھی آ گئے ہیں۔ اور ایسی ترکیبوں کے ساتھ آئے ہیں جن کا استعمال اُردو میں زیادہ نہیں ہے۔ مثلاً "دائم الجدت"۔ "وسیع البسط"۔ لیکن جب آپ اصل کتاب کو اُٹھا کر دیکھینگے تو معلوم ہوگا کہ "Eternally new"

اور "[illegible]" کا ترجمہ اس سے بہتر ممکن نہ تھا۔ اور دوسری
صورت اختیار کرنے میں وہ لطف جو اس حالت میں قایم رہا۔ جا [illegible]
جابجا آپ قوسین ( ) کے اندر کچھ عبارت پائینگے۔ اس کے
متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ اسے اصل کتاب سے بالکل تعلق نہیں ہے
بلکہ صرف وضوح مطالب کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ انگریزی
داں حضرات سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اصل کتاب سے اس ترجمہ
کا مقابلہ کرکے جو غلطی مجھ سے ہوگئی ہوگی۔ اس سے مطلع کرینگے لیکن
توقعات کا پیدا ہونا بجائے خود ایک مایوسی ہے۔ خیر۔ بہرحال میرے
لئے اس سے زیادہ باعث تشکر و مسرت دوسری بات اور کوئی نہیں
ہو سکتی کہ ارباب قلم اپنی مخلصانہ رائے سے مجھے مطلع کریں۔ کیونکہ معاندانہ
تح[illegible] صرف یہ کہ وہ راستی و صداقت کے خلاف ہوتی ہیں۔ یوں
[illegible] تشنیع ہو جاتی ہیں۔ اور اس لئے ان کا اثر کم از کم مجھ پر تو کچھ
[illegible]تا نہیں

ایک بات اور عرض کرنی ہے کہ گیتان جلی خواہ انگریزی میں دیکھی جائے یا کسی اَور زبان میں ضرورت ہے کہ بار بار مطالعہ کیا جائے اور ہر دفعہ اُس کے استعارات وکنایات کے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ نگاہ اوّل میں سارے مطالب ومحاسن سے لُطف اُٹھانا مشکل ہے۔ جسقدر زیادہ غور کیجئے گا اُسیقدر اُس کی خوبیاں ذہن نشین ہوتی جائیں گی +

نیاز

۲۴ مئی ۱۹۱۴ء

گیتان جلی (غرض نغمہ)

(۱)

تو نے مجھے غیر متناہی بنا دیا۔ ایسی ہی تیری مرضی ہے۔ اس کمزور ظرف (ہستی) کو تو بار بار خالی کرتا ہے۔ اور ہمیشہ ایک تازہ زندگی سے (اسے) معمور کر دیتا ہے[۱]

یہ نے کی چھوٹی سی بانسری تو وادیوں میں پہاڑیوں پر لئے پھر رہا ہے۔ اور اس سے تو (کیسے کیسے) دائم الجدّت نغمے پھونک رہا ہے

تیرے ہاتھوں کے غیر فانی مس سے میرا ننھا سا دل اپنے حدود (حقیقت) مسرت میں بھول جاتا ہے۔ اور اک ناقابلِ بیان اظہار

[۱] عقیدۂ تناسخ

اُس سے پیدا ہوتا ہے +

تیرے غیر محدود انعامات مجھ تک آتے ہیں۔ اور میرے انہیں مختصر چھوٹے چھوٹے ہاتھوں پر! عمریں گزرتی جاتی ہیں اور اب بھی تو (اُن کی) بارش کر رہا ہے۔ تاہم معموری کے لئے جگہ باقی ہے +

(۲)

جب تو مجھے گانے کا حکم دیتا ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا قلب اس لطف و پرسش کی سمائی اپنے میں نہ پاکر فخر و غرور سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا میں تیری صورت دیکھتا ہوں۔ اور میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں؟ جو کچھ میری زندگی میں سخت و کرخت ہے۔ اک شیریں نغمۂ واحد کی صورت میں رقیق ہو کر تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور میری پرستش اُس مسرور طائر کی طرح جو سطح سمندر پر اُڑ رہا ہو اپنے بازو پھیلا دیتی ہے +

میں جانتا ہوں تو میرے گانے سے دلچسپی لیتا ہے میں جانتا ہوں کہ صرف اک مغنّی کی حیثیت سے میں تیرے حضور میں آتا ہوں +

میں اپنے وسیع المبسط بازوئے نغمہ کے کنارے سے تیرے قدموں کو چھو لیتا ہوں جن تک پہنچنے کا حوصلہ میں کبھی نہیں کر سکتا تھا ٭

مسرتِ سرود سے سرشار ہو کر میں اپنے تئیں بھول جاتا ہوں۔ اور تجھے اپنا دوست کہتا ہوں۔ حالانکہ تو میرا مالک و آقا ہے[1] ٭

---

(۳)

اے میرے آقا۔ مجھے نہیں معلوم تو کس طرح گاتا ہے! میں ہمیشہ اک خاموش تعجب سے سنا کرتا ہوں ٭

تیری موسیقی کی روشنی عالم کو منور کر رہی ہے۔ تیری موسیقی کا نفسِ حیات ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک دوڑا پھرتا ہے تیری موسیقی کا مقدس چشمہ تمام سنگین حجابات کو توڑ کر بہ نکلتا ہے ٭

[1] اس نظم میں عبادت نغمہ کی کیفیات ظاہر کی گئی ہیں۔ جو متصوفین ہند کے ہاں بہترین ذریعہ تاثراتِ روحانی کے پیدا کرنے کا ہے ٭

میرا قلب آرزومند ہے کہ تیرے نغموں کا ہمنوا ہو جائے۔ لیکن ایک آواز کے لئے بیکار تڑپ رہا ہے۔ میں بولتا ہوں۔ لیکن بول نغمہ نہیں ہوتے۔ لاچار عاجز ہو کر چیخ اُٹھتا ہوں۔ آہ۔ تو نے میرے قلب کو اپنی موسیقی کے بیشمار پھندوں میں اسیر کر لیا۔ اے آقا![۱]

(۴)

اے جانِ جاں۔ میں ہمیشہ اپنے جسم کو صاف و پاک رکھنے کی کوشش کرونگا۔ یہ جانکر کہ تیرا ذی حیات مس میرے تمام اعضا پر (محیط) ہے میں تمام ناراستیوں کو اپنے خیالات سے دُور رکھنے کی کوشش کرونگا یہ جان کر کہ تو وہ راستی (و صداقت) ہے جس نے ضیاءِ عقل سے میرے نفس کو منوّر کر رکھا ہے ÷

میں ہمیشہ کوشش کرونگا کہ تمام بُرائیاں اپنے دل سے نکال ڈالوں

[۱] اسمیں وہی تخیل ظاہر کیا ہے جسکا ذکر مقدمہ میں کر چکا ہوں یعنی موسیقیت خود اک الوہیت ہے۔ اور اک غنا جاوید کائنات کے ہر ہر ذرّے میں نہاں ہے، گویا خدا کی موسیقی نے جسم اختیار کر لیا۔ اور تمام عالم ظہور میں آ گئے

اور اپنے عشق کو پھول کی طرح تازہ و شگفتہ رکھوں۔ یہ جانکر کہ تیری جگہ میرے دل کی خلوت حرم میں ہے ✦

اور میری کوشش ہمیشہ یہ رہیگی کہ میرے تمام افعال سے تیرا ہی ظہور ہو۔ یہ جانکر کہ وہ تیری ہی قوّت ہے جو مجھے کام کرنیکی قوت بخشتی ہے ✦

---

(۵۱)

میں تو صرف اتنی عنایت چاہتا ہوں کہ ایک لمحہ کے لئے۔ تیرے پاس بیٹھ جاؤں۔ اور کام جو میرے پاس ہیں انھیں تو میں پھر بھی ختم کرونگا۔ تیری صورت سے اوجھل ہوکر میرا قلب راحت و مہلت سے ناآشنا ہو جاتا ہے۔ اور میرا کام محنت کے بحرِ ناپیدا کنار میں اک غیر محدود مشقت ہوکر رہ جاتا ہے ✦

آج موسم گرما اپنی آہوں اور سرگوشیوں کے ساتھ میرے دریچہ کے پاس آگیا ہے۔ اور شہد کی مکھیوں نے شگفتہ کنج کے صحن میں اپنا ساز

چھیڑ رکھا ہے ؎ ۱ ؏

اب وقت ہے کہ تیرے چہرے کے مقابل خاموش بیٹھ جاؤں۔ اور ساکن و وافر فرصت میں تہدیۂ حیات (تیرے حضور میں) گاؤں ؏

(۶)

اس چھوٹے سے پھول کو توڑ لے اور لے لے۔ دیر نہ کر! مجھے خوف ہے کہ مبادا وہ مرجھا جائے اور خاک آلودہ ہو جائے ؏

وہ تیرے ہار میں جگہ نہ پائے نہ پائے لیکن اپنے دردمند ہاتھ کے مس سے اُس کی عزت تو بڑھا دے۔ میں ڈرتا ہوں کہیں میرے آگاہ ہونے سے پہلے ہی دن ختم نہ ہو جائے اور نذر کا وقت گزر جائے۔

اگرچہ اُس کا رنگ گہرا نہیں ہے۔ اُس کی خوشبو کمزور ہے (لیکن [illegible] ہے) اپنی خدمت (پرستش) کے لئے اُس پھول کو کام میں لا؛

۱؎ موسم کی اُس حالت سے جب بہار اپنی موسیقی و شگفتگی پھیلا کر رکھ دیتی ہے۔ شاعر متاثر ہو جاتا ہے بے اختیار جذباتِ عالیہ پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اس وقت کو وہ حضوری کیلئے پسند کرتا ہے۔ اور پرستش کے ترنم میں محو ہو جاتا ہے۔

اور اُسے توڑ لے جبکہ ابھی وقت ہے ؎

(۷)

میرے نغمہ نے۔ اُس کی آرائش ملتوی کر دی ہیں۔ اُسے زینت ملبوس و زیبائش پر فخر نہیں۔ یا ایسے زیور ہمارے اتصال کے لطف کو کم کر دیتے۔ وہ میرے تیرے درمیان حائل ہو جاتے۔ اُنکی آواز میں تیری سرگوشیاں غائب ہو جاتیں ؎

میرے شاعر کا غرور تیرے سامنے شرم سے غائب ہو جاتا ہے۔ اے اُستادالشعراء میں تیرے قدموں میں بیٹھا ہوں۔ مجھے اپنی زندگی ایک بانسری کی طرح... سادہ و راست بنا لینے دے تاکہ صرف تیرے ہی لئے اُسے موسیقی سے معمور کر سکوں ؎

(۸)

بچہ جو شاہانہ ملبوس سے آراستہ ہے۔ اور جس کے گلے میں پُر جواہر زنجیر پڑی ہے۔ اپنی کھیل کود کی ساری مسرتیں کھو بیٹھتا ہے۔ اُسکا

لباس ہر قدم پر اُسے اُلجھا دیتا ہے

اس خوف سے کہ کہیں اُس (لباس) میں رگڑ نہ لگ جائے۔

خاک سے داغدار نہ ہو جائے۔ وہ اپنے تئیں دنیا سے علیحدہ ہی علیحدہ رکھتا ہے۔ اور حرکت کرتے بھی ڈرتا ہے ؞

اے ماں۔ یہ نفایس کی مجبوری لاحاصل ہے۔ اگر وہ کسی کو زمین کی پُر صحت خاک سے جُدا رہنے پر مجبور کرتی ہے اگر وہ اک عام تماشہ گاہِ حیاتِ انسانی کے دروازے میں داخل ہونیکے حق کو کسی سے چھین لیتی ہے

(۹)

اے بیوقوف۔ خود اپنے تئیں۔ اپنے ہی دوش پر لے جانے کی کوشش! اے گدا اپنے ہی دروازے پر گدائی کے لئے آنا!

اپنا بار اُس کے ہاتھوں پر ڈالدے۔ جو سب کو سنبھال سکتا ہے اور کبھی حالتِ تاسف میں پیچھے مُڑ کے نہیں دیکھتا ؞

تیری تمنّا فوراً اُس شمع کی روشنی گُل کر دیتی ہے۔ جسے وہ اپنی سانس سے چھو لیتی ہے۔ وہ آلودہ ہے۔ اُس کے آلودہ ہاتھوں سے نذریں نہ لے۔ صرف اُس چیز کو قبول کر جسے پاک محبّت پیش کرے۔

(۱۰)

تیرا پا انداز تو یہاں ہے۔ اور تیرے قدم وہاں۔ جہاں مفلس و ذلیل (حقیر و) برباد لوگ رہتے ہیں۔

جب میں تیرے سامنے جھک جانے کی کوشش کرتا ہوں تو میرا (خم) عجز اُس عمق تک نہیں پہنچ سکتا۔ جہاں تیرے قدم مفلس و ذلیل، حقیر و برباد لوگوں کے پاس ہیں۔

غرور کی رسائی وہاں نہیں ہے جہاں تو ملبوسِ عجز میں مفلس و ذلیل حقیر و برباد لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے۔

میرا قلب وہاں باریاب ہونے کی راہ نہیں پاتا۔ جہاں تو مفلس و ذلیل، حقیر و برباد لوگوں کے درمیان بے یار و مددگار کا ساتھی ہے۔

(۱۱)

یہ (عبادتِ) نغمہ و سرود۔ یہ تسبیح خوانی چھوڑ! دروازہ بند کر کے خانقاہ
کے سنسان اور تاریک گوشہ میں تو کس کی پرستش کر رہا ہے؟
آنکھیں کھول۔ دیکھ تیرا خدا تیرے روبرو نہیں ہے!
وہ وہاں ہے جہاں کاشتکار سخت زمین میں ہل چلا رہا ہے۔
جہاں سڑک بنانے والا پتھر توڑ رہا ہے۔ وہ اُن کے ساتھ دھوپ
اور بارش میں ہے اور اُس کا ملبوس خاک میں اٹا ہوا ہے۔ یہ خرقۂ
سالوس اُتار کے پھینک دے اور اُسی کی طرح خاکِ زمین پر اُتر آ+
آزادی؟ یہ آزادی کہاں میسّر ہے؟ ہمارے آقا نے خود اپنی
خوشی سے آفرینش کی بندشیں اپنے سر لے لی ہیں۔ وہ آپ ہمارے
ساتھ ہمیشہ کے لئے پابند ہو گیا ہے+

اپنے تخیلات سے باہر آ۔ ان پھولوں اور بخورات کو الگ رکھدے!
کیا ہرج ہے اگر تیرے کپڑے بوسیدہ و داغدار ہیں؟ اُس سے
مل۔ اور محنت و عرقِ پیشانی کے ساتھ اُس کے پاس آکھڑا ہو۔

(۱۲)

وہ وقت جو میرے سفر میں صرف ہوتا ہے طویل ہے۔ اور راستہ
دور دراز۔ روشنی کی شعاعِ اوّلین کی رتھ پر میں آیا۔ اور کائنات کے
بیابان میں اپنا نشان بہت سے سیّاروں اور ستاروں پر چھوڑتے ہوئے
میں نے اپنا سفر شروع کیا۔

وہ بعید ترین راستہ ہے جو تیرے پاس تک بہت قریب ہو کر پہنچتا
ہے۔ اور وہ ہدایت بہت پیچیدہ ہے جو نغمہ کی سی نمایاں سادگی کی
طرف رہبری کرتی ہے۔

ایک مسافر کو اپنے ہی دروازہ پر پہنچنے کے لئے ہر اجنبی در کھٹکھٹانا

پڑتا ہے۔ اور تمام ظاہر آفتاع عالم میں آوارہ پھرنا پڑتا ہے۔ جب وہ آخر کار اپنے نہاں خانہ حرم تک پہنچتا ہے +

میری نگاہیں دور و نزدیک بھٹک چکی تھیں۔ قبل اس کے کہ میں نے انہیں بند کر لیا اور کہا کہ "تو یہاں ہے!" یہ سوال و آواز کہ "آہ کہاں؟" پگھلکر ہزارہا چشموں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور "میں ہوں" کا سیلِ ایقان عالم میں طوفان برپا کر دیتا ہے[۱] +

(۱۳)

وہ گیت جس کے گانے کے لئے میں آیا تھا۔ اس وقت تک بے گایا ہوا پڑا ہے۔ میں نے اپنے دن تار کے چڑھانے اُتارنے ہی میں صرف کر دیئے +

[۱] تمام عالم اُس کی جستجو میں چھان مارا لیکن ع: آنکھ کی بند ہوا کو چہ جاناں پیدا۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو اپنے ہی دل کے اندر موجود ہے۔ وہ جستجوئیں اور وہ ندائیں منفعل ہو کر پانی پانی ہو گئیں۔ اور ذرہ ذرہ اُسکے وجود کا شاہد نظر آنے لگا +

وقت مناسب ابھی نہیں آیا۔ الفاظ اچھی طرح موزوں نہیں ہوئے۔ صرف
دردِ آرزو قلب میں ہے +

کلی ابھی نہیں کھلی۔ صرف ہوا ٹھنڈی سانسیں بھر رہی ہے +

نہ میں نے اُس کی صورت دیکھی۔ اور نہ میں نے اُس کی آواز پر توجہ
کی۔ میں نے اُس کے آہستہ قدموں کی صرف آواز اُس سڑک
سے سُنی ہے جو میرے گھر کے سامنے ہے +

ایک دیر پا دن اُس کا فرش بچھانے ہی میں گزر گیا اور شمع اُس وقت
تک روشن نہیں ہوئی (اس لئے) میں اُسے گھر کے اندر نہیں بلا سکتا +
میں اُس سے مل رہنے کی اُمید پر جی رہا ہوں۔ لیکن وہ ملنا اب تک
نہیں ہوا +

(۱۴)

میری خواہشیں بہت ہیں اور میری صدا قابلِ رحم۔ لیکن تو نے ہمیشہ

اپنے سخت انکارات کی وجہ سے مجھے محفوظ رکھا۔ اور یہ قوی رحم ہمیشہ میری حیات کے اندر ہی اندر کام کرتا رہا +

روز بروز تو مجھے اُن عطایائے سادہ وعظیم کا اہل بنا رہا ہے جنہیں بلا سوال ہجوم خواہشات سے بچا کر تو مجھے عنایت کرتا ہے (وہ عطایا کیا ہیں؟) یہ آسمان و زمین۔ یہ جسم۔ یہ حیات ونفس +

بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں۔ جب میں اک حالتِ افسردگی میں انتظار کیا کرتا ہوں۔ اور بعض ایسے کہ میں جاگ اُٹھتا ہوں اور اپنے مدّعا کی تلاش میں دوڑ پڑتا ہوں لیکن تو بے رحمی۔ کے ساتھ اپنے تئیں میرے سامنے چھپا لیتا ہے +

تو مجھے اپنے انکار مکرر سے۔ کمزور و بے قرینہ... تمنّاؤں کے خطرات سے بچا کر اپنی قبولیت تامہ کا اہل بنا دیتا ہے +

مَیں تو یہاں صرف تیرا ہی گیت گانے کے لئے ہوں۔ اس تیری بارگاہ میں۔ میں بھی اپنے ایک کونہ میں بیٹھی ہوئی ہوں +

آس تیری دنیا میں میرے پاس کوئی کام کرنے کو نہیں ہے (سوائے اس کے) کہ میری بیکار زندگی بغیر کسی مدعا کے ٹوٹ ٹوٹ کر صرف لحن و نغمہ بن سکتی ہے +

جب آدھی رات کے تاریک معبد میں گھڑیال تیری پرستش خاموش کے وقت کا اعلان کرے۔ تو اے میرے آقا مجھے بھی حکم دے کہ تیرے حضور میں گانے کے لئے کھڑی ہوں +

جب صبح کی ہوا میں بربط زریں کا ساز ملایا جائے۔ تیری حاضری کے حکم سے مجھے بھی سرفراز کر +

(۱۶)

اس جشن گاہ دنیا میں مجھے بھی نوید (شرکت) ملا ہے۔ اور اس طرح میری زندگی مسرور ہے۔ میری آنکھوں نے دیکھا۔ میرے کانوں نے سنا +

اس جشن میں ساز بجانا میرے سپرد کیا گیا تھا[1]۔ اور جو کچھ میرے بس کا تھا میں کر چکا +

اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں اندر جاؤں اور تیری صورت دیکھکر اپنا خاموش سلام تیرے حضور میں پیش کروں +

(۱۷)

میں صرف محبت کا منتظر ہوں کہ آخر کار اُس کے ہاتھوں میں اپنے تئیں سونپ دوں۔ یہی سبب ہے کہ اسقدر تاخیر ہو گئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں اسقدر متروکات کا مجرم ہوں +

لوگ اپنے قواعد و قوانین لے کر آتے ہیں کہ مجھے پابند کریں لیکن میں ہمیشہ اُن سے بچتا ہوں۔ کیونکہ میں محبت کا منتظر ہوں کہ آخر کار میں

[1] یہ وہ خدمت ہے جسکے انجام دینے سے آسمان و زمین حجر و شجر سب نے انکار کر دیا کہ ہم عاجز ہیں۔ لیکن انسان اسے بڑھ کر لے گیا۔ از زبان تبیان آگئے کہ میں مجہول ہوں + آرزو پوری ہو گوا کہ تو مجہول اہیں، وہ محبت جو اک ٹوٹنے والے دل، رونے والی آنکھوں کی تلاشی تھی متحرک ہوئی۔ اور اُس ذرہ مجہول کے اندر منتقل ہو گئی اور یہی تھا وہ ساز درد جسکو تجمو رنے یوں پہچانا۔ اور کسی نے اسطرح کہا کہ ع قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند +

اپنے تئیں اُس کے ہاتھوں میں سونپ دوں ؛

لوگ مجھ پر الزام رکھتے ہیں مجھے لاپرواہ کہتے ہیں۔ مجھے ذرا شبہ نہیں کہ وہ ٹھیک کہتے ہیں ؛

بازار کا دن ختم ہوگیا ہے۔ اور ایک مشغول آدمی کا کام انجام کو پہنچ چکا ہے۔ وہ لوگ جو مجھے یونہی فضول بلانے آئے تھے غصہ ہو کر واپس چلے گئے ہیں (اور) میں صرف محبت کا منتظر ہوں کہ آخر کار اپنے تئیں اُس کے ہاتھوں میں سونپ دوںلہ ؛

(۱۸)

بادل پر بادل اکٹھے ہوتے جاتے ہیں۔ اور تاریکی بڑھتی جاتی ہے آہ۔ اے محبت۔ تو کیوں مجھے دروازہ سے باہر بالکل تنہا منتظر بنائے ہوئے ہے ؛

لہ اس نظم میں وہ اپنے تئیں اُن لوگوں سے جدا ظاہر کرنا چاہتا ہے جو دنیاوی مشاغل میں پھنسے ہیں۔ وہ اُن سب کی ملامت و نکوہش کو برداشت کرتا ہے اور اپنی زندگی کو وقف محبت بعشق کرنا چاہتا ہے ؛

محنت نیمروز کے مشغول لمحات میں (توخیر) میں مجمع کے ساتھ رہتا ہوں۔ لیکن اس تنہا روز تار میں تو صرف تو ہی ہے۔ جس کی آس بندھی ہوئی ہے +

اگر تو مجھے اپنی صورت نہ دکھائیگا۔ اگر تو مجھے یونہی تنہا چھوڑ دیگا تو میں نہیں جانتا کہ یہ بارش کے طویل گھنٹے کیونکر کٹیں گے[1]

میں آسمان کی بعید تاریکی کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتا ہوں اور میرا قلب بے چین ہوا کے ساتھ ساتھ کراہتا پھرتا ہے +

(۱۹)

اگر تو مجھ سے نہ بولے گا۔ تو میں اپنے قلب کو تیری خاموشی سے بھر لونگی۔ اور اُسے برداشت کرونگی۔ میں خاموش رہونگی۔ اور رات کی طرح نجومی بیداری کی حالت میں صبر و استقلال سے گردن جھکائے

[1] حالت ابتلا یا وقت نزع میں لطف خداوندی کا طلبگار ہے +

تیرا انتظار کیا کرونگی ❖

صبح یقینی آئے گی ۔ تاریکی زائل ہو جائیگی اور تیری آواز آسمانوں کو توڑکر زریں چشموں کی صورت میں بہنے لگے گی ❖

اُس وقت تیری باتیں میری چڑیوں کے آشیانوں سے نغمہ بن کر اُڑنے لگیں گی ۔ اور تیرے نغمے میرے صحرائی کنجوں میں پھول بنکر پھوٹ نکلیں گے ❖

(۲۰)

اُس دن جب کنول کھِلا ۔ افسوس میرا قلب بھٹکتا پھر رہا تھا ۔ اور میں اُس سے بیخبر تھا ۔ میری ٹوکری خالی تھی اور پھول پڑے تھے کسی کو اُن کی پرواہ نہ تھی ❖

صرف ایک غم میرے اوپر طاری ہوا ۔ میں اپنے خواب سے چونک پڑا

لہ یعنی یہ تعلق جسم مٹ کے رہیگا ❖

اور بادِ جنوب میں ایک عجیب و غریب نکہت کا شیریں سراغ میں نے پالیا +
اُس آوارہ شیرینی نے میرے قلب میں آرزو سے اک درد پیدا
کر دیا۔ مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ موسم بہار کا پُر آرزو نفس اپنی تکمیل کا
متجسّس ہے +
مجھے اُس وقت یہ نہ معلوم تھا کہ وہ اسقدر قریب ہے۔ گویا اپنی ہی ہے
اور یہ مکمّل شیرینی میرے ہی عمق قلب میں شگفتہ ہے +

(۲۱)

مجھے اپنی کشتی ڈال دینی چاہیئے۔ بیکار گھنٹے ساحل پر (کھڑے کھڑے)
گزرے جاتے ہیں۔ حیف ہو مجھ پر!
فصلِ بہار پھول کھلا کر رخصت ہو چکی ہے۔ اور میں اب کملائے ہوئے
بے مصرف پھولوں کے بار سے لدا ہوا (فضول) انتظار میں کھڑا ہوں +
لہریں پُر شور ہو چلی ہیں۔ اور ساحل پر سایہ دار راہ میں زرد پتیاں اُڑ

رہی ہیں اور گر رہی ہیں +

تم کیا حیرت سے تک رہے ہو! کیا تم اک لرزش اُس نغمۂ بعید کی راگنیوں سے ملی ہوئی جو اُس ساحل سے موجزن ہے۔ ہوا کے درمیان گزرتی ہوئی محسوس نہیں کرتے؟[لہ]

(۲۳)

باراں جولائی کے گہرے سایہ میں نگہبانوں کی نگاہ سے بچتا ہوا۔ پوشیدہ قدموں سے تُورات کی طرح خاموش چلا جا رہا ہے +

آج صبح نے پُرشور بادِ مشرق کی صدائے پیہم سے بے خبر ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں۔ اور ایک دبیز نقاب بیدارِ جاوید نیلگوں آسمان کے چہرہ پر پڑا ہوا ہے +

صحرائی قطعات نے اپنی راگنیاں ختم کردیں۔ اور دروازے ہر مکان کے

لہ خاتمہ زندگی کے علامات ظاہر ہو چکے ہیں اور اب سفری تیاری ہے۔ پھر کیا حیرت و استعجاب ہے حقیقی زندگی تو وہی ہے جو اب شروع ہوگی۔ اور جو موسیقیت سے معمور ہے +

بند کر لئے گئے ہیں ٭

صرف تو۔ اک تنہا چلنے والا (مسافر) اس سنسان گلی میں رہ گیا ہے۔ آہ، اے میرے تنہا دوست۔ میرے اچھے محبوب میرے گھر کے دروازے اب بھی کھلے ہیں۔ خواب کی طرح نہ گزر جاؤ[1] ٭

(۲۳)

اے میرے دوست، اس طوفانی رات میں بھی تو اپنے سفر محبت میں گھر سے باہر (پھر رہا) ہے آسمان کراہتا ہے۔ جیسے کوئی عالم نامرادی میں ہو ٭

آج مجھے نیند نہیں آتی۔ گھڑی گھڑی میں دروازہ کھولتی ہوں اور اے محبوب تاریکی میں باہر نگاہ دوڑاتی ہوں (لیکن) مجھے سامنے

[1] اس نظم سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیگور عالم خلوت (تنہائی) میں، خاصکر جب فضائے عالم مناظر فطرت کے غیر معمولی اضطراب و تغیر سے متاثر ہو۔ کیسے تاثرات اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے

کچھ نظر نہیں آتا۔ مجھے حیرت ہے کہ تیرا راستہ آخر ہے کدھر!
کس سیاہ دریا کے تاریک ساحل سے۔ کس برہم جنگل کے کنارِ
بعید سے، کس تاریکی کے پُر پیچ عمق میں ہو کر، اے میرے حبیب
تو اپنا راستہ مجھ تک آنے کے لئے طے کر رہا ہے؟

(۴۳)

اگر دن ختم ہو گیا ہے۔ اگر چڑیاں اب نہیں گاتیں۔ اگر ہوا مضمحل و
خستہ ہو گئی ہے۔ تو تاریکی کا نقاب میرے (چہرہ کے) اوپر ڈال دے
بالکل اسی طرح۔ جس طرح تو نے زمین کو چادر خواب میں ملفوف کر دیا۔ اور
جس طرح شام کے وقت نڈھال کنول کی پنکھڑیوں کو نزاکت کے
ساتھ بند کر دیا۔

اُس مسافر سے شرم و افلاس دور کر دے۔ جس کا زادِ راہ قبل اختتامِ
سفر نبٹ چکا ہے۔ جس کا ملبوس بوسیدہ و گرد آلود ہے۔ اور جس کی

قوت خستہ ہو چکی ہے۔ اور اپنی لطف بخش رات کے پردہ میں پھول کی طرح اُسے حیاتِ تازہ مرحمت کر[1]

—(۲۵)—

شب اضمحلال میں۔ مجھے توفیق دے کہ میں تجھ پر تکیہ کرکے بلا کسی جد و جہد کے اپنے تئیں نیند کے سپرد کردوں۔ ایسا نہ کر کہ میں اپنی تھکی ہوئی روح کو تیری پرستش کے لئے غریب آمادگی پر مجبور کروں۔

وہ تو ہی ہے۔ جو رات کا نقاب دن کی تھکی ہوئی آنکھوں پر ڈال دیتا ہے۔ تاکہ بیداری کی مسراتِ تازہ سے اسکے منظر کی تجدید ہو جائے

—(۲۶)—

وہ آیا۔ اور میرے پہلو میں بیٹھ گیا۔ لیکن میں نہ جاگی۔ ہائے وہ نیند کیسی کم بخت نیند تھی۔ ذلت ہو میرے لئے!

وہ آیا جب رات خاموش و ساکن تھی۔ اُس کے ہاتھ میں اُس کا

[1] یعنی جب میرے حیات جسمانی کے دنیاوی تعلقات ختم ہونے کو ہوں۔ تو مجھے جو ایک خستہ و غریب مسافر کی طرح تیری طرف آرہا ہے۔ اپنے انعام و شفقت سے مسرور کرو

بر لیا تھا۔ اور اُس کے نغموں سے میری نیندیں معمور تھیں +

افسوس، کیوں میری ساری راتیں اسی طرح ضایع ہو رہی ہیں۔ آہ میں کیوں ہمیشہ اُس کا دیدار چوک جاتی ہوں جس کی سانس میری نیند کو چھو چھو جاتی ہے +

(۲۷)

روشنی، آہ روشنی کہاں ہے؟ تمنّا کی مشتعل آگ سے اُسے روشن کر۔ شمع ہے لیکن اُس کا تھرتھرانے والا شعلہ ندارد۔ اے میرے دل کیا تیرا مقسوم کچھ ایسا ہی ہے! آہ، اس سے کہیں بہتر تو تیرے لئے موت ہی تھی +

ذلّت تیرا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے۔ اُس کا پیام یہ ہے کہ "تیرا آقا بیدار ہے۔ اور رات کی تاریکی میں موعودہ مقام ملاقات پر بلاتا ہے" +

آسمان بادلوں سے گھرا ہوا ہے اور مینہ بند نہیں ہوتا۔ مجھے نہیں معلوم

وہ کیا ہے جو میرے اندر بیتاب ہے۔ میں اُس کا مطلب نہیں سمجھتا
ایک لمحہ کا لمعانِ برق اور زیادہ پردۂ تاریکی میری نگاہوں کے سامنے
ڈال دیتا ہے۔ اور میرا قلب اُس جگہ کا راستہ ڈھونڈھنے لگتا ہے۔ جہاں
رات کی موسیقی مجھے بُلا رہی ہے +

روشنی۔ آہ روشنی کہاں ہے! تمنّا کی مشتعل آگ سے اُسے پیدا کر!
بادل گرج رہا ہے۔ ہوا خلا میں شور کرتی پھرتی ہے۔ رات سنگِ
موسٰی کی طرح سیاہ ہے۔ اپنے گھنٹے اُسی حالتِ تاریکی میں نہ گزرنے
دے۔ اپنی حیات کی شمع محبت روشن کر +

(۲۸)

پھندے استوار ہیں۔ لیکن میرا دل دُکھتا ہے جب میں اُن کے
توڑنے کی کوشش کرتا ہوں +

میں صرف آزادی چاہتا ہوں لیکن اُسکی آرزو کرتا بھی شرماتا ہوں +

مجھے یقین ہے کہ بے بہا دولت تیرے اندر موجود ہے اور یہ کہ تو میرا بہترین دوست ہے لیکن مجھ میں اتنا دل نہیں کہ اُن نمائشوں کو دور کر دوں جو میرے کمرہ میں بکھری پڑی ہیں +

وہ چادر جو مجھے ڈھکے ہوئے ہے۔ خاک و فنا کی چادر ہے میں اُس سے نفرت کرتا ہوں۔ تاہم محبت میں اُسے لپٹائے ہوئے ہوں +

میرا قرض کثیر ہے۔ میری ناکامیاں عظیم۔ اور میری شرم پوشیدہ و گراں۔ تاہم جب میں اپنی بھلائی مانگنے آتا ہوں۔ تو اس خوف سے کانپ اُٹھتا ہوں کہ کہیں میری التجائیں قبول نہ ہو جائیں +

(۲۹)

جسے میں اپنے نام کے ساتھ محصور کئے ہوئے ہوں[۱]۔ اس زندان میں رو رہا ہے۔ میں ہمیشہ چاروں طرف سے اس دیوار[۲] کے بنانے

[۱] یعنی روح یا حیات روحانی [۲] انہماک دنیاوی +

میں مصروف رہتا ہوں اور جسقدر یہ دیوار آسمان کی طرف بلند ہوتی جاتی ہے۔ اُسیقدر میں اُس کے تاریک سایہ میں اپنے حقیقی وجود کو نگاہوں سے غائب دیکھتا ہوں ؀

میں اِس بلند دیوار پر فخر کرتا ہوں۔ میں خاک اور ریت سے اُس پر استر کرتا ہوں کہ مبادا اس میں کہیں کوئی رخنہ رہ جائے (مگر) بااینہمہ خبرداری میں اپنے حقیقی وجود کو آنکھوں سے اوجھل پاتا ہوں ؀

(۳۰)

موعودہ مقام ملاقات پر آنے کے لئے تمام راستہ میں نے تو تنہا ہی طے کیا۔ لیکن یہ کون ؎ ہے۔ جو اس خاموش تاریکی میں میرے ساتھ ساتھ آرہا ہے ؀

میں اُس سے بچنے کیلئے الگ ہٹتا ہوں۔ لیکن نہیں بچ سکتا ؀

؎ خیال خودی وخود پرستی ۱۲

وہ اپنے خرامِ نخوت سے زمین کی خاک اُڑا رہا ہے۔ وہ اپنی بلند آواز میرے ہر ہر لفظ سے ملاتا ہے ؛

اے آقا۔ وہ خود میرا ہی وجودِ مختصر ہے۔ اُسے تو شرم نہیں آتی۔ لیکن اُس کے ساتھ تیرے دروازہ پر جاتے ہوئے مجھے تو شرم آتی ہے ؛

(۳۱)

"اے قیدی، مجھ سے بتا وہ کون تھا جس نے تجھے پابند کر دیا؟"

"وہ میرا مالک تھا" قیدی نے جواب دیا "میرا خیال تھا کہ میں دولت و قوت میں ہر شخص سے بڑھ سکتا ہوں۔ میں نے خزانہ میں وہ دولت جمع کر کے رکھ لی۔ جب مجھے اپنے بادشاہ کو ادا کرنا تھی۔ جب نیند غالب ہوئی۔ تو میں اپنے مالک کے بستر پر لیٹ گیا۔ جب میں جاگا تو دیکھا تو اپنے ہی خزانہ میں محبوس ہوں" ؛

"اے قیدی مجھے بتا وہ کون تھا جس نے یہ نہ ٹوٹنے والی (مستحکم) زنجیر تیار کی؟"

قیدی نے جواب دیا "وہ میں ہی ہوں جس نے اس زنجیر کو نہایت احتیاط سے تیار کیا۔ میرا خیال تھا کہ ناقابل فتح قوّت ساری دنیا کو مقید کر لے گی۔ اور صرف مجھی کو غیر منقطع حالت آزادی میں رکھیگی۔ اس بنا پر رات دن کی محنت اور سخت آگ اور ظالمانہ شدید ضربات کی مدد سے میں نے زنجیر تیار کی۔ جب آخر کار کام ختم ہوگیا۔ اور کڑیاں اچھی طرح مضبوط بن گئیں۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ زنجیر مجھی کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے"۔

(۳۲)

وہ لوگ جو اس دنیا میں مجھ سے محبّت کرتے ہیں۔ اس امر کے ساعی رہتے ہیں کہ مجھے ہر طرف سے مضبوط پکڑے رہیں لیکن

تیری محبت کا یہ حال نہیں ہے۔ حالانکہ وہ اُن سب کی اُلفت سے زیادہ ہے۔ تو مجھے آزاد رکھتا ہے ✣

اِس خوف سے کہ کہیں میں اُنہیں بھول نہ جاؤں۔ وہ کبھی مجھے تنہا چھوڑنے کی جرأت نہیں کرتے۔ لیکن دن ایک ایک کر کے گزرے جاتے ہیں۔ اور تو ابتک نظر نہیں آیا۔ اگرچہ میں تجھے اپنی دعاؤں میں نہیں پکارتا۔ ہر چند میں تجھے اپنے قلب میں جگہ نہیں دیتا۔ تاہم تیری محبت میری محبت کا انتظار کر رہی ہے ✣

(۳۳)

دن تھا جب وہ (کچھ لوگ) میرے گھر آئے اور کہا کہ "ہمیں صرف تھوڑی سی جگہ چاہئے۔ ہم پرستش خدا میں تمہارا ہاتھ بٹائیں گے اور عجز کے ساتھ صرف اپنا حصہ اُس کے فضل و کرم سے قبول کر لینگے" اُنہوں نے گوشہ میں اپنی جگہ لے لی اور خاموش و سنجیدہ بن کر بیٹھ گئے۔

لیکن رات کی تاریکی میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میرے حرم متبرک کے اندر شدت بغاوت کے ساتھ گھسے آتے ہیں۔ اور ناپاک طمع کے ساتھ قربانگاہ سے نذریں چھین لے جاتے ہیں[۱] ٭

(۳۴)

صرف اسقدر مختصر حصّہ مجھ میں باقی رہنے دے۔ جس سے۔ آے میرے کل تجھے پکار سکوں ٭

میری آرزو کا صرف اتنا مختصر حصّہ باقی رہنے دے۔ جس سے میں تجھی کو ہر طرف محسوس کروں۔ تجھی کو ہر چیز میں پاؤں۔ اور ہر لمحہ تیرے ہی حضور میں اپنی محبّت نذر کروں ٭

صرف اِسقدر مختصر حصّہ مجھ میں رہنے دے۔ جس سے میں تجھے کبھی نہ چھپا سکوں ٭

[۱] یہ سیاسی نظم ہے ۱۲

تیری بیڑیوں کا صرف اتنا حصّہ رہ جائے۔ جس سے میں تیرا ہی پابند مرضی رہوں۔ اور تیرا مقصد میری زندگی میں پورا ہو۔ اور وہ بیڑی تیری محبت کی ہے ÷

(۳۵)

جہاں قلب بے خوف ہے۔ اور سر بلند رکھا جاتا ہے ÷

جہاں علم آزاد ہے ÷

جہاں دنیا تنگ خانگی دیواروں (کے جھگڑوں) میں ٹوٹ کر پرزے پرزے نہیں ہو گئی ÷

جہاں الفاظ عمقِ صداقت سے نکلتے ہیں ÷

جہاں سعیِ مستقل اپنے بازو تکمیلِ (کار) کی پھیلاتی ہے ÷

جہاں عقل کا صاف چشمہ فضول مراسم کے خشک ریتلے جنگل میں اپنا راستہ نہیں بھولا ÷

جہاں۔ تو نفس کو دائم الوسیع تخیل و عمل کی طرف لیجاتا ہے ÷

اے مالک اسی فردوس آزادی میں میرے ملک کو بیدار کر ÷

(۳۶)

اے میرے مالک۔ تجھ سے میری دعا یہ ہے کہ:۔

میرے قلب کی بنیادِ افلاس کو دور کردے۔ مجھے قوت دے کہ

اپنے آلام و مسرات کو آسانی کے ساتھ برداشت کرسکوں ÷

مجھے قوت دے کہ غریب کو کبھی نظرانداز نہ کروں۔ اور اپنے زانو

گستاخ قوت کے سامنے نہ جھکادوں ÷

مجھے قوت دے کہ اپنے نفس کو روزمرہ کے خسائیس سے بلند رکھوں

اور مجھے قوت دے کہ اپنی قوت کو محبت کے ساتھ تیری مرضی کے

سپرد کردوں ÷

(۳۷)

میں خیال کرتا تھا کہ میرا سفر قوت کی حدِ آخر پر ختم ہو چکا ہے۔ یہ کہ راستہ سامنے بند ہے۔ زادِ راہ نبٹ چکا ہے۔ اور اب وقت ہے کہ کسی خاموش خلوت میں پناہ لی جائے +

لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تیری مرضی (قوت ارادی) میرے اندر کوئی نہایت نہیں پاتی۔ اور جب پرانے الفاظ زبان پر آتے آتے مردہ ہو جاتے ہیں۔ تو نئے نغمے قلب سے نکلنے لگتے ہیں۔ اور جہاں پرانے نشانات مٹ جاتے ہیں۔ اک نیا ملک، اپنے عجائبات کیساتھ ظاہر ہو جاتا ہے[1] +

(۳۸)

یہ کہ "میں تجھے چاہتا ہوں اور صرف تجھی کو"، میرے قلب کو اس کی تکرار

[1] مسئلہ تناسخ ۱۲

بے نہایت کرنے دے ۔

تمام آرزوئیں۔ جو مجھے رات دن پریشان رکھتی ہیں۔ جھوٹی ہیں۔ اور بالکل تہی ۔

جس طرح رات اپنی تاریکی میں التجائے ضیا نہاں رکھتی ہے۔ اسی طرح میری بے خبری کے عمق میں یہ آواز گونجا کرتی ہے کہ "میں تجھے چاہتا ہوں اور صرف تجھی کو" ۔

جس طرح طوفان۔ جب وہ اپنی پوری قوت کیساتھ امن شکن ہوتا ہے۔ اپنی نہایت بھی امن ہی میں تلاش کرتا ہے۔ اسی طرح میرا انحراف تیری محبت کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ اور پھر بھی صدا یہی ہے کہ "میں تجھے چاہتا ہوں اور صرف تجھی کو" ۔

(۳۹)

جب میرا قلب سخت و خشک ہو جائے۔ تو۔ تو میرے اوپر بارشِ رحم

ہو کر آ +

جب حیاتِ محبت کو کھو بیٹھے۔ تو۔ بقیۂ نغمہ بن کر آ +

جب مشاغلِ ہنگامہ زا اپنا شور چاروں طرف بلند کریں اور مجھے باہر نکال دیں۔ تو اے میرے مالکِ سکوت۔ تو اپنے سکون و آرام کے ساتھ آ +

جب میرا گدائے دل ایک گوشۂ زندان میں دبک کر بیٹھنے لگے تو اے میرے بادشاہ دروازہ توڑ کر آ۔ اور شاہانہ شان و شوکت سے آ +

جب آرزو میرے قلب کو اوہام باطلہ اور اپنے غبار سے اندھا کر دے۔ اے تو تنہا پاک۔ اے تو تنہا بیدار۔ اپنی روشنی اور گرج کیساتھ آ +

---

(۴۰)

اے میرے خدا۔ مدتیں گزریں کہ میرا دلِ تشنہ کام۔ بارانِ رحمت کو ترس رہا ہے۔ اُفق (دل) خوفناک طریقہ سے عریاں ہے۔ نرم

بادل کی باریک سی باریک چادر بھی نہیں۔ دور کی ٹھنڈی بوچھار کا آوارہ سے آوارہ اشارہ بھی نہیں ٭

موت کی طرح خوفناک اک برہم طوفان بھیج۔ اگر تیرا جی چاہے۔ اور بجلی کے چابک سے آسمان کو یہاں سے وہاں تک تڑپا کر رکھ دے ٭ لیکن بلا لے۔ اے آقا۔ واپس بلا لے۔ اس پھیلی ہوئی خاموش گرمی۔ ساکت۔ تیز۔ ظالم گرمی۔ قلب کو خوفناک مایوسی سے بھون ڈالنے والی گرمی کو ٭

تیرے لطف و محبت کے بادل اوپر سے نیچے کی طرف اس طرح مائل ہوں جس طرح باپ کے غصہ ہونے کے وقت ماں کی پُرنم نگاہ جھک جاتی ہے[1]

(۱۴)

اپنے کو سایہ میں چھپائے ہوئے۔ اے میرے پیارے۔ تو کہاں

[1] گرمی وغیرہ کا بیان اشارہ ہے حالت فراق کی طرف ۱۲

اُن سب کے پیچھے کھڑا ہے؟ وہ مجھے دھتکا دیتے ہیں۔ تیرے

پاس سے خاک آلودہ سڑک پر ہوتے ہوئے گزر جاتے ہیں[1]۔

اور تیرا کچھ خیال نہیں کرتے۔ میں یہاں کتنے تھکے ہوئے گھنٹوں سے

تیرے لئے اپنی نذریں پھیلائے تیرا انتظار کر رہی ہوں۔ راستہ

چلنے والے آتے ہیں اور ایک ایک کر کے میرے پھول لئے جا

رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ٹوکری قریب قریب خالی ہو گئی ہے +

صبح کا وقت گزر گیا ہے اور دوپہر کا بھی۔ شام کے سایہ میں میری

آنکھیں نیند کی وجہ سے جھکی پڑتی ہیں۔ لوگ گھر جاتے ہوئے،

مجھے دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ اور محجوب کرتے ہیں۔ میں بھکاری لڑکی

کی طرح منہ پر آنچل ڈالے بیٹھی ہوں اور جب وہ مجھ سے پوچھتے ہیں

کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ تو میں آنکھیں جھکا کر رہ جاتی ہوں۔ اور انہیں

کوئی جواب نہیں دیتی +

[1] مشاغل دنیا میں تگ و دو کرنے والے ۱۲

اور آہ، حقیقتاً میں اُن سے کہہ بھی کیسے سکتی ہوں کہ مجھے تیرا انتظار ہے۔ تو نے آنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں شرم سے کیونکر کہہ سکتی ہوں کہ میں تو جہیز (میں دینے) کے لئے صرف یہ غربت رکھتی ہوں۔ آہ میں اس نخوت کو اپنے نہاں خانۂ دل میں چھپائے ہوئے ہوں ؎

میں گھاس پر بیٹھی ہوں۔ آسمان کی طرف نگاہ ہے اور تیری آمد کی اچانک شان و شوکت کا خواب دیکھ رہی ہوں کہ:- وہ تمام روشنیاں جگمگا رہی ہیں۔ وہ تیرے رتھ کے اوپر زرّیں پرچم لہرا رہے ہیں۔ وہ سب لوگ متحیّر کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ تو اپنی نشستگاہ سے اُتر کر میری طرف آتا ہے۔ مجھے زمین سے اُٹھانے کے لئے اپنے پہلو میں ایسی شکستہ حال لڑکی کو جگہ دینے کے لئے جو شرم و نخوت سے اس طرح کانپ رہی ہے۔ جیسے نسیم سے کوئی بیل ہے۔ لیکن وقت گزرتا جاتا ہے۔ اور اس وقت تک تیرے رتھ کے پہیّوں کی آواز نہیں! بہت سے جلوس شور و شغب کے ساتھ شادان

شوکت کی سحرکاریوں کے ساتھ گزرتے جاتے ہیں۔ کیا تو ہی صرف دہتا ہے۔ جو سایہ میں خاموش سب سے پیچھے کھڑا رہیگا؟ اور کیا میں ہی صرف وہ دل، جو انتظار میں رویا کرونگی۔ اور ناکام تمناؤں سے اپنے تئیں خستہ و دلریش رکھوں گی؟

(۴۲)

بہت تڑکے یہ سن گن لگی تھی کہ ہم کشتی میں سوار ہو کر جائیں گے۔ صرف تو اور میں۔ اور دنیا کا کوئی شخص اس لانہایت و بلاتخصیص تمام سفر عبادت کا حال نہ جانے گا÷

اس بحر ناپیدا کنار میں۔ تیرے تبسم خاموش کے سامنے جو سراپا توجہ ہے۔ میرے گیت لحن، نغمہ ہو جائیں گے۔ لہروں کی طرح آزاد۔ الفاظ کی تمام پابندیوں سے آزاد÷

کیا ابھی وقت نہیں آیا؟ کیا ابھی کام کرنا ہے؟ لو، شام ساحل پر آگئی

اور دھندلی روشنی میں چڑیاں اپنے اپنے آشیانوں میں اُڑ اُڑ کر آنے لگیں +

کیسے خبر ہے یہ زنجیریں کب الگ ہوں گی۔ اور کشتی غروب آفتاب کی آخری شعاع کی طرح کب رات کے اندر غائب ہو جائیگی لہ

---

(۴۳)

وہ بھی ایک دن تھا جب میں تیرے لئے اپنے تئیں تیار نہ رکھ سکی۔ اور تو نے۔ اے میرے بادشاہ مجمع عام کے ایک معمولی آدمی کی طرح بغیر کہے ہوئے۔ بلا میرے علم کے۔ دل کے اندر سما کے میری زندگی کے بہت سے فانی لمحات پر مہر دوام ثبت کر دی +

اور آج جب اتفاقاً میں اُن (لمحات) پر روشنی ڈالتی ہوں۔ اور تیرے نقش دیکھتی ہوں۔ تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لمحات میرے

لہ اس نظم میں وہ ظاہر کرتا ہے کہ بنے اپنی ساری لطف انتظاریں کاٹ دی۔ گو کہ میری روح جسم [illegible] تو ہاری سے ملکر مسرور ہو لیکن خدا جانے وہ وقت کب آئیگا کہ یہ میری آرزو پوری ہوگی

مجھوسے ہوئے ایام زبوں کے مسرات وآلام کی یاد کے ساتھ خاک میں ملے ہوئے پڑے ہیں۔ خاک میں میرے طفلانہ لہو ولعب کو دیکھ کر تو نفرت وحقارت سے واپس نہیں گیا۔ اور وہ قدم جن کی آواز مینے اپنے گھروندے میں سُنی تھی، وہی ہیں جو ایک ستارہ سے دوسرے ستارہ تک آواز باز گشت پیدا کر رہے ہیں[لے]

(۴۴)

میری مسرت اسی میں ہے کہ یونہی تیرا انتظار کیا کروں۔ اور اُس راہ کو تکتی رہوں۔ جہاں سایہ روشنی کا تعاقب کرتا ہے اور جہاں مینہ گرمی کی بیداری میں آتا ہے۔

قاصد۔ بے جانے بوجھے آسمانوں سے خبریں لیکر آتے ہیں۔ تہنیت پیش کرتے ہیں اور سڑک پر ہو لیتے ہیں۔ میرا جی اندر سے خوش ہے

لے یعنی لطفِ باری جس طرح بدو حیات میں کارفرما تھا۔ اسی طرح انتہائے حیات میں بھی ہے

اور گزرنے والی نسیم کی سانس شیریں ✣

صبح سے شام تک میں اپنے دروازے پر بیٹھی رہتی ہوں اور جانتی ہوں کہ خوشی کی گھڑی حالتِ انتظار میں اچانک آجائے گی ✣

اِسی اثناء میں میں مُسکراپڑتی ہوں۔ اور اکیلی گانے لگتی ہوں کہ ہوا کسی کے ہوئے پیماں سے مجھے لبریز کردیتی ہے[1] ✣

---

(۴۵)

کیا تم نے اُس کی خاموش آوازِ قدم نہیں سُنی؟

وہ آتا ہے۔ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے ✣

ہر لمحہ اور ہر عمر میں۔ ہر دن اور ہر رات وہ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے۔

میں نے بہت سے گیت مختلف کیفیاتِ قلب میں گائے لیکن اُنکا لحن ہمیشہ یہی رہا کہ وہ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے ✣

گرم اپریل کے معطر ایام میں، جنگل کے راستہ سے وہ آتا ہے،

[1] لطفِ وصال میں غرق ہوجانیکی آرزو پوری ہوتی ہے اور مفارقتِ جسم و روح اسکا نزلہ ہے!

اور ہمیشہ آتا ہے ٭

شبہائے جولائی کی باراں تاریکی میں. بادلوں کے گرجنے والی رتھ پر

وہ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے ٭

تواتر الم کی حالت، اُسی کے قدم ہیں جو میرے دل کے اندر گر جاتے

ہیں اور اُسی کے قدموں کا زریں مس ہے جو میری مسرتوں کو درخشاں

بنا دیتا ہے ٭

(۴۶)

نہیں معلوم کتنی مدت سے تو ہمیشہ مجھ سے ملنے کیلئے قریب بڑھتا چلا

آتا ہے۔ تیرا آفتاب تیرے تارے میری نگاہوں سے تجھے پوشیدہ

نہیں رکھ سکتے ٭

کتنی صبح و شام تیرے قدموں کی آواز سُنی گئی تیرا قاصد میرے خانۂ

دل میں آیا اور مجھے چپکے سے بلایا ٭

خبر نہیں. آج میری زندگی کیوں (اسقدر) بیتاب و متحرک سی ہے۔

کیوں اک مسرت مرتعش کا حس قلب کے اندر تیرا جاتا ہے۔

اب گویا وقت آگیا ہے کہ اپنے سب کام تہ کر کے رکھ دوں (کیونکہ) میں ہوا میں تیرے ہونے کی ایک لطیف خوشبو محسوس کر رہی ہوں۔

(۴۷)

رات قریب قریب اس کے انتظار میں بیکار صرف ہو گئی۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ صبح کو اچانک میرے دروازے پر آجائے اور میں تھک کر (غافل) پڑی سو رہی ہوں۔ آہ۔ دوستو۔ اس کے لئے راستہ کھلا رہنے دو۔ اسے نہ روکو۔

اگر اس کے قدموں کی آواز مجھے نہ جگائے۔ تو مجھے بیدار کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں التجا کرتی ہوں۔ میں یہ نہیں چاہتی کہ چڑیوں کا شور نغمہ یا ضیاء صباحی کے جشن میں ہوا کا ہنگامہ مجھے نیند سے جگائے مجھے اطمینان سے سونے دو۔ اس وقت بھی جب میرا آقا ناگہاں دروازے

پر آجائے ۔

آہ میری نیند۔ میری قیمتی نیند۔ جو غائب ہونے کیلئے صرف اُس سے چھو جانے کا انتظار کر رہی ہے۔ آہ میری بند آنکھیں۔ جن کے پپوٹے صرف اُسی کے ضیاءِ تبسم میں کھلیں گے۔ جب نیند کی تاریکی سے پیدا ہونے والے خواب کی طرح وہ میرے سامنے آ کھڑا ہوگا۔

تمام روشنیوں۔ تمام صورتوں سے پہلے اُسی کو میری نگاہوں کے سامنے ظاہر ہونے دو۔ میری بیدار روح کا اوّلین رعشۂ عسرت اُسی کے نظارہ سے حاصل ہو اور میرا اپنے آپ میں آنا فوراً اُسی کے پاس واپس جانا ہو۔

(۴۴)

صبح کا بحرِ خموشی طیور کی ننھی ننھی امواجِ نغمہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ پھول کنارِ راہ میں مسرور نظر آتے تھے۔ اور دولت زربادلوں کے شگافوں

میں پھیلی پڑی تھی۔ جب ہم حالتِ انہماک میں اپنا راستہ طے کر رہے تھے اور (ان مناظر کی) کچھ پرواہ نہ تھی ÷

نہ ہم نے کوئی ترانۂ مسرّت گایا۔ نہ کوئی کھیل کھیلے۔ نہ گانوں میں ہم خرید و فروخت کرنے کیلئے گئے۔ نہ ہم نے کوئی لفظ منہ سے نکالا اور نہ مسکرائے۔ ہم نے راستہ میں قیام نہیں کیا (بلکہ) اپنے قدم اَور تیز کرتے گئے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا ÷

آفتاب نصف آسمان تک اونچا ہو گیا۔ فاختہ سایہ میں بولنے لگی۔ خشک پتیاں دوپہر کی گرم ہوا میں اڑنے لگیں۔ چرواہے کا لڑکا برگد کے نیچے اونگھ اونگھ کر سو گیا۔ میں پانی کے پاس لیٹ گیا۔ اور اپنے تھکے ہوئے اعضا رگھاس پر پھیلا دیئے ÷

میرے ساتھی مجھ پر حقارت سے ہنسے۔ انہوں نے اظہارِ نخوت کیا اور چلے گئے۔ نہ انہوں نے پیچھے مڑ کے دیکھا اور نہ آرام کیا۔ وہ دور کے نیلگوں دھندلکے میں غائب ہو گئے۔ انہوں نے کتنے

سرغزار طے کئے۔ اور کتنی پہاڑیاں۔ وہ عجیب و غریب دور و راز ملکوں میں ہوکر گزر گئے۔ اے غیر متناہی راستہ کو طے کرنے والے بہادروں کے گروہ! ساری عزت تیرے ہی لئے ہے! نکوہش و ملامت نے مجھے چٹکیاں لے لیکر اٹھایا۔ لیکن مجھ سے کوئی جواب نہ پایا۔ اک عجز مسرور کے عمق میں۔ اک دھندلی مسرت کے سایہ میں۔ میں نے اپنے تئیں کھویا ہوا سمجھ لیا +

سبز تاریک سکون سایہ جس پر آفتاب نے زرکاری[1] کی تھی۔ میرے قلب پر آہستہ آہستہ پھیلا۔ میں بھول گیا کہ میں نے یہ سفر کیوں اختیار کیا تھا۔ میں نے اپنے نفس کو بغیر کسی کوشش کے گیتوں اور سایہ کے جال میں ڈال دیا +

آخر کار جب میں نیند سے چونکا اور اپنی آنکھیں کھولیں تو میں نے دیکھا کہ تو پاس کھڑا ہے اور میری نیند میں اپنے تبسم سے اک سیلاب

[1] غالباً اس سے مراد وہ امید کی جھلک ہے جو حالت یاس میں نظر آجائے ۱۲

برپا کر رہا ہے میں کیسا خائف تھا کہ راستہ طویل ہے اور تھکا دینے والا۔ اور تجھ تک پہنچنے کی کوشش کتنی دشوار +

(۴۹)

تو اپنے تخت سے اُترا۔ اور میرے جھونپڑے کے دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا +

میں اپنے ایک کونہ میں (بیٹھی ہوئی) اکیلی گا رہی تھی۔ میرے نغموں نے تیرے کانوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ تو آیا اور میرے جھونپڑے کے دروازے آکر کھڑا ہو گیا +

تیری بارگاہ میں بہت سے اُستاد جمع ہیں۔ اور وہاں ہر وقت گانا ہی ہوا کرتا ہے۔ لیکن وہ گانا جس نے تیری محبّت کو متاثر کیا۔ اسی اناڑی کا سادہ گانا تھا۔ اک دلگداز لحن مختصر دنیا کی عظیم موسیقی سے ملا ہوا۔ انعام دینے کے لئے تو ایک پھول لے کر اُتر آیا۔ اور میرے

جھونپڑے کے دروازہ آکر کھڑا ہو گیا ÷

(۵۰)

میں دروازے دروازے بھیک مانگنے گاؤں کے راستہ میں جا رہی تھی۔ جب تیرا سنہرا رتھ چمکدار خواب کی طرح دور فاصلہ پر نظر آیا میں متحیر رہ گئی کہ یہ کون بادشاہوں کا بادشاہ ہے!

میری اُمیدیں بلند ہوئیں اور میں نے خیال کیا کہ میرے بُرے دن اب ختم ہو گئے ہیں۔ میں اس انتظار میں کھڑی ہو گئی کہ اب بلا سوال بھیک ملیگی اور دولت چاروں طرف خاک میں بکھر جائے گی ÷

گاڑی کھڑی ہو گئی۔ جہاں میں کھڑی تھی۔ تو نے مجھے دیکھا اور مسکراتا ہوا نیچے اُتر آیا۔ میں نے ایسا محسوس کیا گویا حیات کا لمحۂ خوش کامی آخر کار آگیا۔ [illegible] تو نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھایا۔ اور پوچھا کہ ”میرے دینے کیلئے تیرے پاس کیا ہے؟“

آہ۔ یہ بھی کیا شاہانہ مذاق تھا کہ تو نے اپنا ہاتھ اک بھکاری کے سامنے بھیک کے لئے پھیلا دیا۔ میں گھبرا گئی۔ پریشان ہو گئی۔ پھر میں نے اپنی جھولی سے آہستہ آہستہ چھوٹا سا حقیر دانہ غلّہ کا نکالا اور تجھے دیدیا۔ لیکن میری حیرت کتنی بڑھی ہوئی تھی جب شام کو میں نے اپنی جھولی فرش پر خالی کی[1] اور اس ذلیل ڈھیر میں اک دانۂ زر[2] میں نے پایا۔ میں پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ اور یہ جی چاہا کہ میرے پاس دل ہوتا کہ اپنا سب کچھ میں تجھے دیدیتی ؛

(۵۱)

رات تاریک ہو گئی تھی، ہمارے دن کے سب کام ختم ہو چکے تھے ہم نے خیال کیا کہ رات کا آخری مہمان بھی آچکا ہے۔ اور گانوں کے دروازے سب بند ہو چکے ہیں۔ مصرف بعض کا قول تھا کہ بادشاہ آنیوالا

[1] روح اپنی سونپ دی ۱۲ [2] نتیجہ محبت دنیا ۱۲

ہے۔ ہم ہنستے تھے اور کہتے تھے "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا"۔

یہ معلوم ہوا کہ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ ہم نے کہا کچھ نہیں ہوا ہے۔ شمعیں گل کر دیں۔ اور سونے کو لیٹ گئے۔ بعض نے کہا "کوئی پیامبر ہے"۔ ہم نے قہقہہ مارا اور کہا "نہیں یہ ہوا ہو گی"۔

آدھی رات کو اک آواز آئی۔ ہم نے نیند میں خیال کیا کہ وہ دور کی گرج ہو گی۔ زمین ہلی۔ دیواریں ہلیں۔ اور ہماری نیندیں اچٹ گئیں بعض نے کہا "یہ پہیوں کی آواز ہے"۔ ہم نے نیند میں کہا "نہیں یہ بادلوں کی گھڑگھڑاہٹ ہو گی"۔

رات ہنوز تیرہ و تار تھی کہ ڈھول بجا اور آواز آئی کہ "جاگو۔ دیر نہ کرو"۔ ہم نے اپنا ہاتھ دل پر رکھا اور کانپ اٹھے۔ بعض نے کہا "لو، وہ ہے بادشاہ کا پرچم"۔ ہم کھڑے ہو گئے اور چلا اٹھے کہ "اب تاخیر کا موقع بالکل نہیں ہے"۔

بادشاہ آگیا ہے۔ لیکن روشنی کہاں ہے۔ ہار کہاں ہیں۔ اس کو بٹھانے

کے لئے تخت کہاں ہے؟ شرم۔ شرم۔ کہاں ہے کمرہ۔ کہاں ہیں اُس کی زیبائشیں؟ کسی نے کہا "یہ شور فضول ہے! خالی ہاتھوں اُس کا خیر مقدم کرو اور انہیں اُجڑے ہوئے کمروں میں اُسے اُتار لاؤ۔" دروازے کھولو۔ ناقوس بجاؤ! رات کی (تاریکی) عمق میں ہمارے تیرہ و تار سنسان گھر و ں کا بادشاہ آگیا ہے۔ بادل آسمان میں گرج رہے ہیں۔ تاریکی بجلی کی وجہ سے کانپ رہی ہے۔ اپنا بوسیدہ چٹائی کا ٹکڑا لے آ۔ اور اسی کو صحن میں بچھا دے۔ طوفان کے ساتھ ہماری مہیب رات کا بادشاہ ناگہاں آگیا ہے ؎

(۵۴)

میرا خیال تھا کہ میں تجھ سے وہ گلاب کا ہار مانگوں گی۔ جو تیری گردن میں ہے لیکن ہمت نہ ہوئی۔ بالآخر میں صبح کی منتظر رہی کہ جب تو جانے لگیگا تو بستر پر جو چند اجزا اُس کے رہ جائیں گے لے لونگی۔ ایک بھکاری

کی طرح میں نے صبح کو تلاش کی کہ ایک یا دو ہی باقی ماندہ پریشان پنکھڑیاں مل جائیں ٭

آہ۔ مجھے کیا ملا؟ تیری محبت کی کونسی نشانی میں نے پائی؟ نہ وہ پھول ہے۔ نہ کوئی خوشبو کا مسالہ۔ اور نہ کوئی عطر کا ظرف۔ وہ تیری زبردست تلوار ہے۔ شعلہ کی طرح چمکدار۔ گرج کی طرح وزنی۔ صبح کی نئی نئی روشنی کھڑکی کے اندر سے ہو کر آتی ہے۔ اور تیرے بستر پر اپنے تئیں پھیلا دیتی ہے۔ صبح کو چڑیا چہکتی ہے اور سوال کرتی ہے۔ "اے عورت تیرے پاس کیا ہے"! ٭ وہ پھول ہے، نہ خوشبودار مسالا۔ اور نہ کوئی عطر کا ظرف۔ وہ تیری خوفناک تلوار ہے ٭

میں بیٹھی ہوئی اور حیرت سے سوچ رہی ہوں کہ "تیرا یہ کیا انعام ہے"! مجھے کوئی جگہ نہیں ملتی کہ اسے چھپاؤں۔ اسے پہنتے میں شرماتی ہوں کیونکہ میں کمزور ہوں اور جب سینہ سے لگاتی ہوں۔ تو وہ زخمی کر دیتی ہے تاہم میں تیرے اس لطف۔ اس بار درد کی عزت کو اپنے قلب کے

اندر برداشت کرونگی +

اب اس دنیا میں میرے لئے کوئی خوف کی بات نہیں ہے۔ تو میری تمام کوششوں میں فتحیاب ہوگا۔ تو نے میرا ساتھی صرف موت کو چھوڑا ہے۔ میں اپنی حیات کا تاج اُسے پہناؤنگی۔ تیری تلوار پابندیاں قطع کرنے کے لئے میرے پاس ہے اور اب دنیا میں میرے لئے کوئی خوف کی بات نہیں +

اب میں حقیر آرائشیں ترک کردوں گی۔ اے میرے دل کے مالک۔ نہ میں اب کسی کا انتظار کرونگی۔ اور نہ کونہ میں چھپکر رویا کرونگی۔ نہ میرے انداز میں اب شرمیلاپن رہے گا۔ اور نہ شیرینی۔ تو نے میرے سنگار کے لئے تلوار دی ہے۔ اب گڑیوں کی سی آرائش میرے لئے زیبا نہیں +

(۵۳)

خوبصورت ہے ستاروں سے آراستہ، مختلف رنگ کے جواھرات

سے جڑا ہوا تیرا کنگن لیکن میرے لئے تو اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے تیری تلوار۔ محترم طائر وشنو کے پھیلے ہوئے بازو کی طرح بجلی کا سا خم رکھنے والی تلوار، غروب آفتاب کی غصہ ناک سرخ روشنی میں پوری طرح تلی ہوئی تلوار ✣

وہ کانپتی ہے جیسے موت کے فیصلہ کن ضرب پر شدتِ درد میں زندگی کا آخری جواب۔ وہ چمکتی ہے جیسے اک خوفناک چمک کے ساتھ دنیاوی حس کا جلا دینے والا پاک شعلہ ہستی ✣

خوبصورت ہے تاروں جیسے جواہرات سے مرتب تیرا کنگن لیکن تیری تلوار (کی ساخت) میں۔ اے گرج کے مالک۔ کمالِ حسن صرف ہوا ہے، جو بصارت و تخیل (دونوں) کے نزدیک مہیب ہے ✣

---

(۵۴)

میں نے تجھ سے کچھ نہیں مانگا میں نے تو تجھے اپنا نام بھی نہیں بتایا

جب تو رخصت ہونے لگا۔ تو میں خاموش کھڑی تھی۔ میں اُس کنوئیں کے پاس تنہا تھی جہاں درخت کا سایہ ترچھا پڑ رہا تھا۔ اور عورتیں اپنے گھڑے مُنہ تک بھرے ہوئے گھر چلی جا رہی تھیں۔ اُنھوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ "ہمارے ساتھ آ" "دوپہر ہوئی جاتی ہے"۔ لیکن میں کاہلی سے اپنے آوارہ تخیلات میں کھوئی ہوئی وہیں کھڑی رہی +

جب تو آیا تو میں نے تیری آوازِ قدم نہیں سُنی۔ جب تیری نگاہیں مجھ پر پڑیں تو وہ غم آلود تھیں۔ تیری آواز جب تو نے مجھ سے چپکے چپکے باتیں کیں تھکی ہوئی تھی کہ "آہ میں ایک پیاسا مسافر ہوں"۔ میں اپنے خوابِ روز سے چونک پڑی اور میں نے اپنے گھڑے سے تیری جُڑی ہوئی ہتیلیوں پر پانی ڈالا۔ پتیاں سر کے اوپر سرسرا رہی تھیں، کوئل کی کوک غیر مرئی تاریکی سے۔ اور بابلا کے پھولوں کی خوشبو سڑک کے موڑ سے آ رہی تھی +

میں شرم سے خاموش کھڑی رہ گئی جب تو نے میرا نام پوچھا۔ واقعی

میں نے تیرے لئے ایسا کیا کیا۔ کہ تو مجھے یاد رکھتا؟ لیکن یہ یاد کہ میں تیری پیاس بجھانے کے لئے تجھے پانی دے سکی۔ میرے دل کیساتھ لگی رہیگی۔ اور شیرینی کے ساتھ اُسے لپٹائے رہیگی ÷

صبح ہوئے دیر ہو گئی۔ چڑیاں تھکے ہوئے سروں میں گانے لگیں نیم کی پتیوں میں سر کے اوپر سرسراہٹ پیدا ہو گئی اور میں بیٹھی ہوئی اب تک اسی سوچ میں پڑی ہوئی ہوں ÷

---

(۵۵)

تیرے قلب پر افسردگی طاری ہے۔ اور تیری آنکھیں اب بھی خواب آلود ہیں ÷

کیا تیرے پاس یہ خبر نہیں آئی کہ پھول کانٹوں کے درمیان کس شان سے حکومت کر رہا ہے ÷ جاگ، جاگ۔ وقت کو بیکار نہ جانے دے!

اس راہ گزر کے اختتام پر ایک اچھوتی تنہائی کے ملک میں میرا محبوب

تنہا بیٹھا ہوا ہے۔ اسے دھوکا نہ دے۔ جاگ، اُٹھ جاگ ÷

کیا ہے اگر آسمان ہانپتا ہے اور دوپہر کی حدتِ آفتاب سے ہانپ رہا ہے۔ کیا ہے اگر جلتی ہوئی ریت اپنی پیاس کی چادر پھیلا رہی ہے ÷ کیا تیرے عشق دل میں کوئی مسرت نہیں ہے؟ کیا تیرے ہر قدم پر سازِ جادہ درد کے نغمۂ شیریں میں تبادیل نہ ہو جائیگا ÷

(۵۶)

کچھ ایسا ہی ہے کہ تیری مسرت مجھ میں اسقدر بھری پڑی ہے۔ کچھ ایسا ہی ہے کہ تو میرے پاس اُتر کر آیا ہے۔ اے آسمانوں کے مالک تیری محبت کہاں ہوتی۔ اگر میں نہ ہوتی ÷

تو نے مجھے اس دولت میں اپنا شریک بنالیا ہے۔ میرے قلب میں تیری مسرت کی غیر متناہی اٹھکھیلیاں پائی جاتی ہیں تیری مرضی میری حیات کے اندر ہمیشہ مختلف صورتیں اختیار کرتی رہتی ہے ÷

اور اسی غرض سے میں تو نے۔ اے بادشاہوں کے بادشاہ۔ میرے دل کو اسیر کرنے کے لئے اپنے تئیں اس حُسن و جمال سے آراستہ کیا ہے اور اسی غرض سے تیری محبت اپنے تئیں چاہنے والے کی محبت میں کھو دیتی ہے اور پھر وہاں تو دو کے اتحادِ مکمل میں نظر آتا ہے+

(۵۷)

روشنی میری روشنی، دنیا کو معمور کردینے والی روشنی۔ آنکھیں چومنے والی روشنی۔ دل کو شیریں بنا دینے والی روشنی!

اے میرے پیارے۔ روشنی میرے مرکزِ حیات پر رقص کرتی ہے۔ اے محبوب۔ روشنی میرے سازِ محبت کے تاروں کو مرتعش کر دیتی ہے۔ آسمان کھل جاتا ہے۔ ہوا جنشت سے چلنے لگتی ہے۔ اور ہنسی تمام عالم میں پھیل کر رہ جاتی ہے+

تیتریاں اپنا بادبان روشنی کے سمندر پر پھیلا دیتی ہیں۔ کنول اور یاسمین

امواجِ ضیا کی چوٹی پر لہرانے لگتے ہیں۔ اے پیارے۔ روشنی بادلوں میں ٹکڑے ہو ہو کے سونا بن جاتی ہے اور کثرت سے جواہر پاش ؛ مسرت۔ اے پیارے۔ پتیوں پتیوں پھیل جاتی ہے۔ اور خوشی کا کوئی اندازہ نہیں رہتا۔ چشمۂ فردوس کا ساحل ڈوب گیا۔ اور سیلابِ شادمانی ہر جگہ پھیل کر رہ گیا ہے ؛

—۵۸—

تمام فشار ہائے مسرت کو میرے نغمۂ آخریں میں مل جانے دے جو ہنگامہ زا افراطِ سبزہ کی صورت میں زمین پر بہہ نکلتی ہے۔ وہ مسرت جو توام نزاد موت و زندگی کو دنیا میں نچائے پھرتی ہے وہ مسرت جو طوفان کی طرح آکر (بناے) حیات کو متزلزل کر کے رکھ دیتی ہے اور بیداری خندہ بخشتی ہے۔ وہ مسرت جو رقت و گداز کے سرخ کھلے ہوئے کنول پر خاموش باچشمِ پُرنم بیٹھی رہتی ہے۔ اور وہ مسرت جو تمام دیگر موجودات سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اور کوئی لفظ نہیں جانتی ؛

(۵۹)

ہاں میں جانتا ہوں۔ یہ کچھ نہیں ہے لیکن تیری محبّت۔ اے میرے محبوبِ قلب یہ زرّیں روشنی جو پتّیوں پر رقص کرتی ہے۔ یہ آسمان میں تیرنے والے مضمحل سے بادل۔ یہ گزرنے والی نسیم جو میری پیشانی پر خنکی چھوڑ جاتی ہے +

صبح کی روشنی نے میری آنکھوں میں طوفان برپا کر رکھا ہے یہی ہے۔ تیرا پیام میرے دل کے لئے۔ تیرا چہرہ نیچے کی جانب مائل ہے۔ تیری آنکھیں میری آنکھوں کو جھکی ہوئی دیکھ رہی ہیں۔ اور میرے قلب نے تیرے قدموں کو چھو لیا ہے +

(۶۰)

بے شمار اقطاعِ عالم کے ساحلِ بحر پر لڑکے جمع ہوتے ہیں۔ غیر محدود آسمان سر کے اوپر بے حرکت ہے۔ اور مضطرب پانی طوفانی۔ بے شمار

اقطاعِ عالم کے ساحلِ بحر پر لڑکے شور کرتے ہوئے۔ ناچتے ہوئے جمع ہوتے ہیں ؂

وہ ریت کے مکانات بناتے ہیں۔ خالی کوڑیوں سے کھیلتے ہیں۔ مُرجھائی ہوئی پتّیوں سے وہ اپنی کشتیاں بناتے ہیں اور مُسکراتے ہوئے اس وسیع و عمیق سمندر میں تیرا دیتے ہیں۔ بچّے دنیا کے ساحلِ بحر پر یونہی مشغلۂ لہو و لعب جاری رکھتے ہیں ؂

وہ نہیں جانتے تیرنا کیا ہے۔ اُنہیں نہیں معلوم جال کیونکر ڈالا جاتا ہے سیپیاں جمع کرنے والے موتیوں کے لئے غوطہ لگایا کرتے ہیں۔ تاجر اپنے جہازوں میں سفر کیا کرتے ہیں۔ لیکن بچّے تو ہمیشہ سنگریزے ہی جمع کرتے ہیں۔ اور پھر اُنہیں کو منتشر کر دیا کرتے ہیں۔ نہ اُنہیں پوشیدہ خزانوں کی تلاش ہے اور نہ وہ جال ڈالنا جانتے ہیں ؂

سمندر ہنس کر لہریں لیتا ہے۔ اور ساحل پر اپنی زرد شعاعیں پھیلاتا ہے۔ فنا کار لہریں بے معنی نظمیں بچّوں کو سنایا کرتی ہیں جیسے ماں

بالنا ہیں اُس وقت سمندر بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے۔ اور ساحل پر اپنی زرد شعاعیں دکھایا کرتا ہے ÷

بے شمار اقطاعِ عالم کے ساحلِ بحر پر بچے جمع ہوتے ہیں۔ طوفان بے راہ آسمان میں گھومتا پھرتا ہے۔ جہاز بے راہ پانی میں تباہ ہوا کرتے ہیں۔ موت پھیلی ہوئی ہے اور بچے کھیل رہے ہیں۔ بیشمار اقطاعِ عالم کے ساحلِ بحر پر بچوں کا بڑا مجمع ہے ÷

(۶۱)

نیند جو بچے کی آنکھوں میں آتی ہے۔ کیا کوئی جانتا ہے وہ کہاں سے آتی ہے؟ ہاں، یہ افواہ ہے کہ پریوں کا ایک مسکن ہے اور وہیں سایۂ صحرا میں جو جگنو کی روشنی سے کچھ کچھ جھلک رہا ہے۔ دو نازک کلیاں جادو کی لٹک رہی ہیں۔ وہیں نیند کا قیام گاہ ہے اور وہیں سے وہ بچہ کی آنکھیں چومنے آتی ہے ÷

تبسّم جو سوتے ہوئے بچّہ کے ہونٹوں پر لہریں سی لیا کرتا ہے۔ کیا
کوئی جانتا ہے وہ کہاں پیدا ہوا تھا؟ ہاں یہ افواہ ہے کہ ہلال کی
نئی زرد شعاع نے ایک غائب ہونے والے موسم خزاں کے بادل
کا کنارہ چھوا۔ اور یہ تبسّم جو سوتے میں، بچّوں کے ہونٹوں پر لہرایا کرتا
ہے ٭

یہ نرم و شیریں تازگی جو بچّہ کے اعضا میں شگفتہ نظر آتی ہے۔ کیا
کوئی جانتا ہے وہ اتنے عرصہ تک کہاں چھپی رہی؟ ہاں، جب
اُس کی ماں جوان لڑکی تھی تو وہ نازک و خاموش رازِ محبت کی صورت
میں اُس کے قلب کے اندر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ نرم و شیریں تازگی جو
بچّہ کے اعضا میں شگفتہ ہے ٭

(۶۳)

اے میرے بچّے۔ جب میں تیرے پاس رنگین کھلونے لاتی ہوں،

تب میں سمجھتی ہوں کہ پانی پر۔ بادلوں پر رنگ کی اٹھکھیلیاں ایسی کیوں ہیں۔ اور پھولوں پر رنگ افشانیاں کیسی ہیں جب اے میرے بچے میں تیرے لئے رنگین کھلونے لاتی ہوں ؛

جب میں تجھے نچانے کے لئے گاتی ہوں۔ تب حقیقتاً میری سمجھ میں آتا ہے کہ پتیوں میں کیوں اسقدر موسیقی ہے۔ اور لہریں کیوں اپنا آہنگ صدا اس متوجہ دنیا کے قلب تک پہنچایا کرتی ہیں۔ جب میں تجھے نچانے کے لئے گاتی ہوں ؛

جب میں تیرے طامع ہاتھوں کی طرف مٹھائیاں لیجاتی ہوں، اُس وقت میری سمجھ میں آتا ہے کہ ساغر گل میں یہ شہد کیوں ہے اور پھل کیوں پوشیدہ طور سے شیریں عرق سے لبریز ہے جب میں تیرے طامع ہاتھوں کی طرف مٹھائیاں لے جاتی ہوں ؛

جب میں ہنسانے کے لئے تیرا منہ چومتی ہوں۔ اس وقت یقین کے ساتھ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ مسرت کیا ہے جو آسمان سے ضیاء صباحی

میں بہتی نظر آتی ہے، اور وہ خوشی کیا ہے جو نسیمِ بہار میرے جسم تک لاتی ہے جب میں تجھے ہنسانے کے لئے تیرا مُنہ چومتی ہوں +

(۶۳)

تو نے مجھے اُن دوستوں سے شناسا کرا دیا۔ جن کو میں کبھی نہ جانتا تھا، تو نے مجھے اُن گھروں میں بیٹھنے کی جگہ دی جو میرے نہ تھے۔ تو نے دور کی چیز کو نزدیک کر دیا اور غیر کو بھائی +

میرا دل بے چین ہو جاتا ہے جب اپنی پُرانی جگہ[1] (جہاں کا میں عادی ہو گیا تھا) چھوڑنے کو ہوتا ہوں۔ اور میں بھول جاتا ہوں کہ اس نئے مقام میں ایک آشنائے دیرینہ رہتا ہے اور وہاں بھی تو قیام پذیر ہے[2]

موت و زندگی میں اس دنیا کے اندر یا کہیں اور جہاں تو میری رہبری کرتا ہے۔ وہ تو ہی ہے، وہی ہے، وہی تنہا ساتھی۔ میری غیر متناہی

[1] جسم ۱۲ [2] ذات باری ۱۲

زندگی کا جو ہمیشہ میرے قلب کو مسرت کی وابستگیوں سے ایک ناآشنا کے ساتھ مربوط کر دیتا ہے ؎

جب ایک شخص تجھے جان لیتا ہے۔ تو اُس کے لئے نہ کوئی اجنبی ہے اور نہ کوئی دربند۔ آہ۔ یہ میری دعا قبول کر کہ میں کثرت سے کھیل میں اُس ایک کی مسرت کو نہ کھو بیٹھوں ؎

---

(۶۴)

سُنسان دریا کے نشیب پر لانبے ''اُونچی گھانسوں کے درمیان، میں نے اُس سے سوال کیا۔ "اے لڑکی، اپنے دامن سے چراغ کی آڑ کئے ہوئے تو کہاں جا رہی ہے؟ میرا مکان بالکل تار و تنہا ہے مجھے اپنی روشنی عاریتاً دیدے۔" اُس نے اپنی سیاہ آنکھیں ایک لمحہ کے لئے اوپر اُٹھائیں اور میری طرف اُس تاریکی میں دیکھکر

ٹ وہی مسئلہ تناسخ یعنی [illegible] کے جسم سے واسطہ پڑتا ہے۔

کہا کہ میں ندی آئی ہوں تاکہ جب مغرب میں روشنی کم ہو جائے تو پانی پر اپنا چراغ تیراؤں۔" میں اُن لابنی گھانسوں میں اکیلا کھڑا رہا اور اُس کے چراغ کے کمزور شعلہ کو طوفان پر بیکار ہچکولے کھاتا ہوا دیکھتا رہا۔

رات کے سناٹے میں۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ "اے لڑکی، تیری روشنیاں تو سب منور ہیں۔ اب کہاں تو اپنا چراغ لئے جا رہی ہے؟ میرا مکان تیرہ و تنہا ہے اپنی روشنی مجھے عاریتاً دیدے" اُس نے اپنی سیاہ آنکھیں میرے چہرے کی طرف اُٹھائیں اور ایک لمحہ تک پُرشک حالت میں کھڑی رہی۔ آخر کار اُس نے جواب دیا کہ "آسمان کے نام تہدیۂ شمع کے لئے آئی ہوں۔" میں کھڑا رہا اور اُس کی روشنی کو بیکار خلا میں جلتا ہوا دیکھتا رہا۔

آدھی رات کی تاریکی میں میں نے اُس سے پوچھا "اے لڑکی تو کیا ڈھونڈھتی ہے۔ جو چراغ اپنے سینہ کے پاس رکھے ہوئے جا رہی

ہے؟ میرا مکان تیرہ و تنہا ہے - اپنی روشنی مجھے عاریتاً دیدے"
وہ ایک منٹ کے لئے کھڑی ہو گئی اور سوچتی رہی، پھر اندھیرے
میں، اُس نے میرے چہرے کو دیکھا اور کہا کہ "میں اپنی روشنی لائی
ہوں تاکہ اس ہجوم چراغاں میں شامل ہو سکوں"۔ میں کھڑا دیکھتا رہا کہ اُس
کا چھوٹا سا چراغ روشنیوں کے درمیان گم ہو گیا ؛

(۶۵)

تیری زندگی کے چھلکنے والے جام سے۔ اے میرے خدا۔ تجھے کیا
شُرب الوہیت [illegible] ں ہوگا؟
اے میرے [illegible] شاعر۔ کیا تیری خوشی اسی میں ہے کہ اپنی آفرینش
دکا تماشہ میری ہی آنکھوں سے دیکھے اور اپنے نغمۂ جاوید کو میرے
ہی کانوں کے پردہ سے خاموشی کے ساتھ سنے؟
تیری دنیا میرے نفس کے اندر الفاظ تراشتی ہے - اور تیری مسرت

اُن میں اضافۂ موسیقی کر رہی ہے۔ تو فرطِ محبت سے اپنے تئیں میری سپردگی میں دیدیتا ہے۔ اور پھر آپ ہی اپنی ساری شیرینی کو مجھ میں محسوس کرتا ہے ؞

(۶۶)

وہ جو ہمیشہ میرے عمقِ وجود میں۔ تابانی و درخشانی کی شفق میں جاگزین رہی، وہ جس نے صبح کی روشنی میں کبھی اپنا نقاب نہیں ہٹایا۔ اے میرے خدا، میں اسے اپنے نغمۂ آخرین کی آغوش میں لیکر تیرے حضور میں آخری ہدیہ کی صورت میں پیش کرونگا۔ الفاظ نے اُسے مالوف کرنے کی غرض سے لُبھانا چاہا۔ لیکن ناکامیاب رہے۔ ترغیب نے اپنی پُر آرزو آغوش اُس کے سامنے پھیلائی، لیکن بیکار ؞

میں اپنے نہانخانۂ دل میں اُس کو لئے ہوئے ملکوں ملکوں پھرا اور اُسی کے گرد میری زندگی کے عروج و زوال بلندی و پستی رونما ہوئی ؞

تیرے تخیلات پہ، میرے افعال پر، میرے خواب پر، میری نیند پر

اُس نے حکومت کی۔ تاہم تنہا اور جُدا رہی ÷

بہت لوگوں نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور اُسے مجھ سے مانگا۔ لیکن

مایوس واپس گئے ÷

دنیا میں کوئی ایسا نہیں جس نے اُسے رُو در رُو دیکھا ہو اور وہ اپنی

تنہائی میں ہمیشہ تیری ہی توجہ کی منتظر رہی ÷

(۶۷)

تو (جس طرح) آسمان (میں جلوہ گر) ہے۔ (اسیطرح) تو آشیانہ (میں بھی) ہے ÷

اے تو حسین۔ آشیانہ میں تیری محبّت ہے جو روح کو رنگینیوں،

آوازوں اور نکہتوں سے محصور کئے ہوئے ہے ÷

صبح سبد زریں لئے۔ اور چپکے سے زمین کو تاج پہنانے والے اپنے ہاتھ

میں حسن کا ہار لٹکائے ہوئے آتی ہے ÷

شام اپنے سبوئے زرّیں میں امن کے ٹھنڈے قطرے لئے ہوئے سُنسان مرغزاروں پر جنہیں مویشی چھوڑ چکے ہیں سکون کے مغربی سمندر سے بے نشان راستے طے کرتی ہوئی آتی ہے ÷

لیکن وہاں جہاں غیر محدود آسمان پروازِ روح کے لئے پھیلا ہوا (نظر آتا) ہے۔ اک سپید بے داغ درخشانی حکمراں[۱] ہے۔ نہ وہاں دن ہے نہ رات۔ نہ صورت ہے نہ رنگ اور نہ کبھی کوئی لفظ ÷

(۶۸)

شعاعِ مہر اس ہماری زمین پر آغوش پھیلائے ہوئے آتی ہے۔ اور دن دن بھر میرے دروازے کھڑی رہتی ہے کہ تیرے قدموں کے پاس اُن بادلوں کو لیجا کر ڈالدے۔ جو میرے آنسوؤں۔ میری ٹھنڈی سانسوں اور میرے نغموں سے بنتے ہیں ÷

[۱] عالمِ برزخ یا عالمِ عقبیٰ ۱۲

اِک پُرشوق حالتِ مسرّت میں۔ وہی گہرا، بادل کی چادر بے شمار صورتیں اور تہیں بنا بنا کے اور ہمیشہ بدلنے والے رنگوں سے رنگ کر اپنے تارے ایسے سینہ کے گرد لپیٹ لیتا ہے *

وہ کیسی سُبک، فانی، نازک، پُراشک اور سیاہ ہے۔ یہی وجہ ہے جو اسے تو بے داغ و سنجیدہ اُس سے ایسی محبّت کرتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ وہ تیری مہیب سپید روشنی کو اپنے دلگداز سایہ سے ڈھک لیتی ہے *

(۶۹)

وہی چشمۂ زندگی جو رات دن میری رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے۔ سارے عالم کے اندر جاری ہے۔ اور تال و سم کے ساتھ رقص کر رہا ہے *

وہی زندگی ہے جو خاک زمین کے اندر سے گھاس کی بے شمار پتیوں کی صورت میں مسرّت بنکر پھوٹ نکلتی ہے۔ اور پھولوں، پھلوں

کی ہنگامہ زا لہروں میں تبدیل ہو جاتی ہے ✤

وہ وہی زندگی ہے جو فنا و بقا کے بحری گہوارۂ مدوجزر میں ہلائی جاتی ہے

میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے اعضا اس عالم حیات کے مس سے شاندار بن گئے ہیں اور میرا غرور عمروں کے ضربات حیات سے میرے خون کے اندر اس وقت رقص کر رہا ہے ✤

(۷۰)

کیا تیرے اختیار سے باہر ہے کہ تو اس مسرت شعری سے مسرور ہو؟ اچھل پڑے۔ کھو جائے۔ اور اس خوفناک مسرّت کے گرداب میں ٹوٹ کر چُور چُور ہو جائے؟

تمام چیزیں آگے بڑھتی جا رہی ہیں۔ وہ نہیں ٹھیرتیں۔ وہ پیچھے مُڑ کے نہیں دیکھتیں۔ کوئی قوت اُنہیں نہیں روک سکتی۔ وہ بڑھتی جا رہی ہیں ✤

اُس تیز رَوِ بے عِنان موسیقی کے ساتھ قدم ملائے ہوئے کتنی فصلیں رقص کناں آتی ہیں اور گزر جاتی ہیں ٭

اُس ہجوم مسرّت میں جو ہر لمحہ بسیط ہوتا ہے۔ اپنے تئیں آزاد چھوڑ دیتا ہے اور بکھرتا ہوا بہتا ہے۔ رنگینیاں۔ راگنیاں اور خوشبوئیں بیشمار آبشاروں کی صورت میں بہنے لگتی ہیں ٭

(۷۱)

یہ کہ میں اپنے کو بہت سا لئے رہوں۔ اور تیری جلوہ پاشیوں پر رنگین[۱] سائے ڈالکر چاروں طرف اُسے منعطف کردوں۔ تیری مایا ایسی ہی ہے، تو خود اپنے وجود میں اک حجاب پیدا کردیتا ہے اور پھر اپنے جدا شدہ وجود کو مختلف آوازوں میں پکارتا ہے۔ اس طرح اپنے آپ سے جدا ہوکر تو نے مجھ میں جسم اختیار کرلیا ہے ٭

۱؎ یعنی تیرے جلوہ کا اظہار اپنے افعال سے کروں اور تمام عالم میں اسے پھیلا دوں ۱۲

تیز و تند نغمہ تمام آسمانوں کے درمیان مختلف الالوان آنسوؤں، تبسموں اور اُمید و بیم کی صورتوں میں صدائے بازگشت پیدا کر رہا ہے۔ لہریں اُٹھتی ہیں اور پھر بیٹھ جاتی ہیں۔ خواب بنتے ہیں اور بگڑتے ہیں مجھ میں تیرا اپنے آپ کو شکست دینا پایا جاتا ہے ؂

یہ پردہ جو تو نے ڈالا ہے، اسپر بے شمار لیل و نہار کے موئے قلم کی بنائی ہوئی صورتیں منقوش ہیں۔ اس کے پیچھے تیرا مقام ہے جسکی تعمیر حیرت انگیز پیچیدہ رازوں سے ہوئی ہے۔ اور جس کو سادگی کے بے لطف خطوط سے کوئی سروکار نہیں ؂

یہ تیرا میرا تماشہ آسمان پر پھیل گیا ہے۔ تیرے اور میرے وطن سے ساری ہوا میں لرزش پیدا ہے۔ اور تمام عمریں میرے اور تیرے آنکھ مچولا میں ختم ہوئی جاتی ہیں ؂

۲۷

وہ وہی نہاں ترین وجود ہے۔ جو اپنے عمیق پوشیدہ مس سے میری

ہستی کو بیدار کر دیتا ہے ؎

وہ وہی ہے جو ان آنکھوں کو مسحور کر دیتا ہے۔ اور حالتِ مسرت میں میرے سازِ دل کے تاروں سے لذت و الم کے مختلف نغمے پیدا کیا کرتا ہے ؎

وہ وہی ہے جو اس مایا کے جال کو سونے چاندی کے سریع الزوال سبز و نیلگوں[1] رنگ سے تیار کرتا ہے اور پھر اُس کی تہوں کے اندر سے اپنے پاؤں کی جھلک دکھاتا ہے۔ جس سے چھو جانے کے بعد میں اپنے تئیں بھول جاتا ہوں ؎

دن آتے ہیں عمریں گزر جاتی ہیں اور وہ ہمیشہ وہی ہے جو کتنے ناموں سے۔ کتنے بھیس ہیں اور مسرت و غم کی کتنی کیفیات میں میرے قلب کو ہلا کر رکھ دیتا ہے ؎

میرے لئے آزادی ترکِ مسائی میں نہیں ہے۔ میں آزادی کو مسرت

[1] سونے اور چاندی کے اگر بہت باریک ورق بنائے جائیں تو اُمیں روشنی کا نفوذ سبز ہوتا ہے اور اسمیں نیلگوں ۱۲

کی ہزاروں پابندیوں کے ساتھ ہم آغوش دیکھتا ہوں ÷

تو ہمیشہ اپنی مختلف الالوان اور مختلف خوشبوؤں والی شراب کے تازہ قطرات میرے لئے ٹپکاتا رہتا ہے (یہانتک کہ) یہ جام سفالیں کناروں تک بھر جاتا ہے ÷

میری دنیا اپنی سیکڑوں شمعیں تیرے شعلہ سے روشن کریگی اور اُنہیں تیرے معبد کی قربانگاہ پر رکھدیگی ÷

نہیں، میں کبھی اپنے درِ حواس بند نہ کرونگا۔ بصارت، سماعت و لمس کی مسرّتیں تیری روشنی کو برداشت کرینگی ÷

ہاں، میرے تمام توہمات جلکر ضیاءِ مسرّت ہو جائیں گے۔ اور میری آرزوئیں پختہ ہو کر ثمرِ محبت بن جائینگی ÷

(۷۴)

دن اب نہیں ہے۔ سایہ زمین پر اُتر آیا ہے۔ وقت ہے کہ میں

اپنی گاگر بھرنے چشمہ پر جاؤں +

شام کی ہوا پانی کے غمگین راگ سے مست ہے۔ آہ۔ وہ مجھے تاریکی کی طرف بلاتی ہے۔ اس سنسان گلی میں کوئی گزرنے والا نہیں ہے ہوا زور پر ہے۔ موجیں دریا میں کثرت سے اُٹھ رہی ہیں +

مجھے نہیں معلوم کہ میں گھر لوٹ بھی سکونگی یا نہیں۔ کیا خبر مجھے کون راستہ میں مل جائے۔ وہاں پایاب مقام پر ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھا ہوا کوئی بے جانا بوجھا آدمی اپنی بانسری بجا رہا ہے +

(۷۵)

تیرے انعامات ہم فانیوں کی سب ضرورتیں پوری کرتے ہیں اور پھر بھی بغیر کسی کمی کے تیرے ہی پاس واپس جاتے ہیں +

دریا کو اپنا روز کا کام کرنا پڑتا ہے کھیتوں۔ باغوں میں دوڑنا پڑتا ہے

لہ ذاتِ باری مراد ہے یا پھر وہ جسم جس سے روح آشنا ہونے والی ہے ۱۲

تاہم اُس کا ہمیشہ جاری رہنے والا چشمہ تیرا پاؤں دھونے کیلئے
مُڑ جاتا ہے ÷

پھول اپنی خوشبو سے ہوا کو شیریں بناتا ہے۔ تاہم اُس کی آخری
خدمت اپنے تئیں تیرے سامنے پیش کرنا ہے ÷

تیری پرستش دُنیا کو غریب نہیں بناتی ÷

شاعر کے الفاظ سے۔ لوگ جو چاہتے ہیں معنی اخذ کرتے ہیں لیکن
اُن کے مفہوم آخریں کا اشارہ تیری ہی جانب ہے ÷

(۷۶)

اے مالکِ حیات۔ کیا میں تیرے روبرو یوں ہی روز بروز کھڑا رہوں؟
اے تمام عالموں کے مالک، کیا میں تیرے روبرو یونہی ہاتھ جوڑے روز روز کھڑا رہوں؟
تیرے اس عظیم الشان آسمان کے نیچے، تنہائی و سکوت میں اک
عاجز دل لئے ہوئے یوں ہی روبرو کھڑا رہوں ؟

کیا تیری اس محنتی دنیا میں۔ جہاں سعی و عمل کا ہنگامہ برپا ہے۔ دوڑنے

دھوپتے والی جماعتوں کے درمیان یوں ہی تیرے سامنے کھڑا رہوں؟
اور جب میرا کام اس دُنیا میں ختم ہو جائے تو اے شاہنشاہ، کیا میں
یوں ہی تنہا بے زبان تیرے رُوبرو کھڑا رہوں؟

(۷۷)

میں تجھے اپنا معبود جانتا ہوں اور الگ کھڑا ہوں میں یہ نہیں جانتا کہ
تو میرا اپنا ہی ہے اور تیرے نزدیک نہیں جاتا۔ تجھے میں باپ کی
طرح جانتا اور تیرے قدموں میں پڑا ہوں۔ میں تجھے اپنا دوست سمجھکر
تیرا ہاتھ نہیں تھام لیتا +

جہاں تو اُتر کر اپنے تئیں میرا ہونا تسلیم کرتا ہے۔ وہاں میں کھڑا نہیں
رہتا کہ تجھے اپنے کلیجہ سے لگا لوں اور تجھے اپنا ساتھی سمجھوں +

تو میرے بھائیوں کے درمیان میرا بھائی ہے لیکن میں اُنکی پرواہ
نہیں کرتا۔ میں اپنی کمائی اُن میں تقسیم نہیں کرتا۔ سارا حصّہ تیری ہی شرکت

میں رکھتا ہوں +

حالتِ مسرت وغم میں میں لوگوں کے پاس نہیں کھڑا ہوتا۔ اور اس طرح (گویا) تیرے پاس کھڑا رہتا ہوں میں جان دینے سے جھجکتا ہوں اور (اس طرح حقیقی) زندگی کے عمق میں غوطہ زن نہیں ہوتا +

جب آفرینش نئی نئی تھی اور ستارے اپنی پہلی روشنی میں تھے۔ رشیوں نے آسمان پر جلسہ کیا اور سب نے ملکر گایا کہ "(واہ ری) تصویرِ کمال، (واہ ری) مسرتِ غیر ناقص!

لیکن ان میں سے ایک دفعۃً پکار اٹھا "یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زنجیرِ ضیا میں کہیں شکست ہے۔ اور ان تاروں میں سے کوئی تارہ کھو گیا ہے"۔

بربط کا زریں تار اتر گیا۔ گانا بند ہو گیا اور وہ سب کے سب گھبرا کر چلا اٹھے "ہاں! ہاں ضائع شدہ تارہ سب سے اچھا تھا۔ اور وہی تمام آسمانوں کی رونق تھا"!

اس دن سے اس تارہ کی تلاش جاری ہے اور ایک شور یہاں سے وہاں

تک بلند ہے "زندنیا نے اس ستارہ میں اپنی ایک مسرت کھودی"۔

صرف رات کی گہری خاموشی میں ستارے مسکراتے ہیں۔ اور باہم سرگوشیاں کرتے ہیں کہ "وہ جستجو بیکار ہے غیر منقطع تکمیل تو ہر جگہ ہے"۔

(۷۹)

اگر اس زندگی میں تجھ سے ملنا میرا حصہ نہیں ہے۔ تو (کم از کم) یہ تو ہمیشہ محسوس ہی کرنے دے کہ میں تیرے نظارہ کو کھو بیٹھا ہوں۔ مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہ بھلا دینے دے اور خواب و بیداری کے گھنٹوں میں اس غم کی تکالیف مجھے اپنے ساتھ لیجانے دے۔

جب میرے دن دنیا کے اس بھرے بازار میں گزرنے لگیں اور میرے ہاتھ روزمرہ کے منافع سے پُر ہوں۔ مجھے ہمیشہ یہ محسوس کرنے دے کہ مجھے کچھ نفع نہیں ہوا۔ مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہ بھلا دینے دے اور خواب و بیداری کے گھنٹوں میں اس غم کی تکالیف مجھے ساتھ لیجانے دے۔

جب میں سڑک پر بیٹھا ہوں، تھک کر ہانپ رہا ہوں، جب میں اپنا بستر

نیچے خاک پر بچھاؤں، مجھے ہمیشہ محسوس کرنے دے کہ طویل سفر اپنے سامنے ہے۔ مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہ بھولجانے دے کہ اور خواب وبیداری کے گھنٹوںمیں اس غم کی تکالیف مجھے ساتھ لیجانے دے ÷

جب میرے گھر سجے ہوئے ہوں۔ بانسریاں بج رہی ہوں۔ قہقہے اُڑ رہے ہوں۔ مجھے محسوس کرنے دے کہ میں نے تجھے اپنے ہاں آنے کا نوید نہیں دیا ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے یہ نہ بھول جانے دے اور خواب اور خواب وبیداری کے گھنٹوں میں اس غم کی تکالیف مجھے ساتھ لیجانے دے

(۸۰)

میں تو خزاں کے اس پارۂ ابر کی طرح ہوں جو یوں ہی آسمان میں آوارہ پھر رہا ہو۔ اے دایم تاباں آفتاب! تیرے مس نے میرے بخارات کو اس وقت تک اپنی روشنی میں تحلیل نہیں کیا۔ اور اس طرح تجھ سے جدا رہ کر سال وماہ گنا کرتا ہوں ÷

اگر یہی تیری مرضی ہے۔ اگر یہی تیرا مشغلہ ہے تو اس بادپا بے مائگی کو،

لے۔ اسمیں رنگ بھر، زرنگاریاں کر، شوخ ہوا پر اُسے تیر ادے اور نیرنگیوں کی صورت میں اُسے پھیلا کر رکھ دے۔ اور پھر جب تیری خواہش ہوگی کہ اس تماشہ کو رات کے وقت ختم کر دے۔ تو میں پگھل جاؤنگا اور یا ظلمت کی تاریکی میں غائب ہو جاؤنگا یا پھر نورانی صبح تبسّم شفاف پاکیزگی کی خنکی میں ؛

(۸۱)

بہت بیکار دن گزر گئے ہیں اپنے ضائع وقت پر رنج کر رہا ہوں لیکن اے میرے آقا وہ کبھی ضائع نہیں ہوا۔ تو نے میری زندگی کے ہر لمحہ کو اپنے ہی اختیار میں رکھا ہے ؛

اشیاء کے بطون میں چھپکر تو تخم میں ریشے پیدا کر دیتا ہے۔ کلیوں کو پھول اور پھول کو پھل بنا دیتا ہے ؛

مَیں تھکا ہوا تھا اور اپنے منمحل بستر پر مصروف خواب میں خیال کر رہا تھا کہ سب کام ختم ہو گئے ہیں۔ صبح کو میں جاگا اور اپنے باغ کو پھولوں

لے یعنی مرنے کے بعد جو دوسرے عالم پر نگاہ ڈالی۔

کے نیر نجات سے معمور پایا +

(۸۴)

تیرے پاس۔ اے مولیٰ۔ غیر متناہی وقت ہے۔ کوئی تیرے لمحات کا شمار کرنے والا نہیں +

رات اور دن گزرے جاتے ہیں۔ عمریں پھولوں کی کھلتی ہیں اور مرجھا جاتی ہیں۔ تو جانتا ہے انتظار کیونکر کیا جاتا ہے +

تیری صدیاں توبرتو۔ ایک چھوٹے سے جنگلی پھول کو تکمیل تک پہنچاتی ہوئی گزر جاتی ہیں +

ہمارے پاس وقت نہیں کہ ضایع کریں۔ اور جب ہمارے پاس وقت نہیں۔ تو ہمیں موقع ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ ہم اس درجہ غریب ہیں کہ تاخیر لازم نہیں +

اور چونکہ میں اُسے ہر جھگڑنے والے کو دیدیتا ہوں۔ جو آسکا مدعی ہوتا

ہے۔ اس لئے وقت گزرتا جاتا ہے۔ اور تیری قربانگاہ اخیر تک ہدایا سے خالی ہے ❖

دن کے اختتام پر میں عجلت کرتا ہوں کہ کہیں دروازہ بند نہ ہو جائے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ہنوز وقت ہے ❖

اے ماں (یعنی وطن) میں تیری گردن کے لئے اپنے اشکِ غم سے موتیوں کا مالا تیار کرونگا ❖

ستاروں نے جو روشنی کی پازیب بنائی ہے وہ تیرے پانوں کے لئے ہے۔ لیکن میرا زیور تو تیرے سینہ پر رہیگا ❖

دولت و شہرت تجھ سے حاصل ہوتی ہیں اور اس لئے تیرے ہی لئے انکا لینا دینا ہے۔ لیکن یہ میرا غم بالکل میرا اپنا ہے۔ اور جب میں اسے بطور نذر تیرے سامنے پیش کرتا ہوں۔ تو تو مجھے اپنا فضل انعام کرتی ہے ❖

(۸۴)

یہ دردِ فراق ہی ہے جو تمام عالم میں بسیط ہے۔ اور جس سے بے شمار شکلیں غیر محدود آسمان میں پیدا ہوتی ہیں +

یہی غمِ جدائی ہے جو تمام رات ایک تارہ سے دوسرے تارہ تک خاموشی سے تکا کرتا ہے اور جولائی کی باراں تاریکی سرسرانیوالی پتیوں کے درمیان نظم ہو کر رہجاتا ہے +

یہی پھیلا ہوا درد ہے جو عمیق ہو کر محبتوں اور آرزوؤں میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ انسانی مساکن میں تکلیف و مسرّت بن جاتا ہے اور یہی ہے جو میرے شاعر کے دل سے نکلکر گدازِ لحن و رقّتِ نغمہ ہوجاتا ہے +

(۸۵)

جب محاربین (حیات) اوّل اوّل اپنے آقا کے مکان سے آئے تو انھوں نے اپنی قوّت کہاں چھپا رکھی تھی؟ انکی زرہ کہاں تھی، ان کے ہتیار کہاں تھے؟

وہ غریب و بے یار نظر آتے تھے جس دن وہ اپنے آقا کے مکان سے

باہر آئے تو اُن پر سیر بر سائے گئے ۔

جب وہ اپنے آقا کے مکان واپس گئے تو اُنہوں نے اپنی قوت کہاں چھپادی ؟

اُنھوں نے تلواریں ڈال دیں، تیر و کمان پھینکدیئے۔ صلح اُنکی پیشانی پر اجھلک

رہی تھی۔ وہ اپنے ثمر ہائے حیات پیچھے چھوڑ گئے جس دن وہ اپنے

مالک کے مکان واپس گئے ۔

۔۔۔۔۔۔۔ ۱۸۶ ۔۔۔۔۔۔۔

موت۔ تیری کنیز میرے دروازہ پر ہے۔ وہ ایک بحر غیر معلوم کو عبور کر کے

میرے گھر تیرا پیام طلب لائی ہے ۔

رات تاریک ہے اور میرا قلب خوف سے پر۔ تاہم میں چراغ لیکے دروازہ

کھولونگی اور اظہار عجز کے ساتھ اُسکا خیر مقدم کرونگی ۔ کیونکہ وہ تیرا پیامبر

ہے جو دروازہ پر کھڑا ہے ۔

میں ہاتھ جوڑ کے اپنے آنسوؤں سے اُس کی پرستش کرونگی میں رکھکے

قدموں پر اپنے دل کا خزانہ رکھ کے پرستش کرونگی ✦

وہ میری صبح پر ایک تاریک سایہ ڈالکر اپنا کام کر کے چلی جائے گی۔ اور میرے سنسان مکان میں صرف میرا وجود متروک تیرے ہدیۂ آخرین کی صورت میں رہ جائیگا ✦

---

(۸۷)

اِک مایوس آرزو لئے ہوئے جاتا ہوں اور مکان کے ہر ہر کونے میں اُسے ڈھونڈتا ہوں۔ مگر اُسے نہیں پاتا ✦

میرا گھر چھوٹا ہے اور جو چیز اُس سے ایک بار نکل جاتی ہے پھر کبھی واپس نہیں آتی ✦

لیکن تیرا محل۔ اے آقا۔ غیر محدود ہے۔ اُس کی تلاش میں اب تیرے دروازہ آیا ہوں ✦

تیرے شام کے زرّیں شامیانۂ فلک کے نیچے کھڑا ہوں اور اپنی

لہ روح مراد ہے ۱۲

آرزومند نگاہیں تیری طرف اُٹھاتا ہوں +

میں ساحلِ دوام پر آگیا ہوں۔ جہاں کوئی چیز فنا نہیں ہوتی۔ نہ کوئی امید نہ کوئی مسرت۔ اور نہ اُس چہرہ کا تصور جو ایسا دھندلا نظر آتا ہے۔ جیسے پُرنم نگاہ سے کوئی چیز دیکھی جائے +

آہ میرے تہی [illegible] حیات کو اُس سمندر میں ڈبو دے۔ اُسے عمیق ترین معموری میں غرق کر دے۔ اُس گمشدہ شیریں مس کو دنیا کی ہمگینی میں آخری مرتبہ مجھے محسوس کرنے دے +

---

(۸۸)

اے تباہ شدہ معبد کی دیوی، وینا کے شکستہ تار اب تیری تعریف نہیں گاتے۔ شام کے گھنٹے اب تیرے وقتِ پرستش کا اعلان نہیں کرتے۔ تیرے چاروں طرف کی فضا پُرسکون و خاموش ہے +

تیرے سنسان مکان میں نسیمِ آوارہ منش آتی ہے۔ وہ پھولوں کی خبریں

تیرے پاس لاتی ہے۔ وہ پھول۔ جو تیری پرستش میں اب تیرے حضور میں پیش نہیں کئے جاتے +

تیرا پرستارِ دیرینہ اُس لطف کی تمنّائے دایم دل میں لئے۔ جس لطف سے اب بھی انکار کیا جاتا ہے۔ پڑا پھر رہا ہے۔ شام کو جب روشنیاں اور سائے تاریکیٔ شب میں مل جاتے ہیں۔ وہ تھکا ہوا تباہ شدہ معبد پر اپنے قلب میں اک گرسنگی لئے ہوئے آتا ہے +

بہت سے تیوہار، اے تباہ شدہ معبد کی دیوی تیرے پاس آتے ہیں اور بہت سی پوجا کی راتیں گزر جاتی ہیں۔ بغیر اس کے کہ چراغ روشن کئے جائیں +

ماہرینِ فنونِ لطیفہ بہت سی نئی مورتیں۔ جب اُن کی ضرورت ہوتی ہے بنا لیتے ہیں اور فراموشکاری کے پاک چشمہ پر اُنہیں لیجاتے ہیں +

صرف تباہ شدہ معبد کی دیوی اک غیر فانی تغافل میں پڑی ہے اور اُس کی پرستش کوئی نہیں کرتا +

(۸۹)

اب میرے الفاظ میں وہ شور و ہنگامہ کہاں ؟ مالک کی مرضی یہی ہے ۔ اب میری گفتگو زیرِ لب ہوا کریگی ۔ اور میرے قلب کا تکلم ترنم میں تبدیل ہو جائیگا ۔

لوگ شاہی بازار کی طرف دوڑتے ہیں ۔ سب خرید و فروخت کرنیوالے وہاں ہیں لیکن مجھے ناوقت اجازت عین ہجوم کار میں دوپہر کو ملی ہے ۔

پھولوں کو میرے باغ میں کھلنے دو ۔ اگرچہ وقت نہیں ہے اور شہد کی مکھیوں کو اپنی سست راگ دوپہر کے وقت چھیڑنے دو ۔

اچھی خیر و شر کے جھگڑے میں میں نے اپنے بہت سے گھنٹے ضائع کر دیئے لیکن میرے ایام ساز[1] کے ساتھی کی خوشی ہے کہ میرے دل کو اپنی طرف کھینچ لے جب میں معلوم کر دفعتہً یہ پیام طلب کیوں ہے اور کیسا بیکار و بے نتیجہ ۔

[1] ذاتِ باری ۱۲

(۹۰)

اُس دن جب موت تیرا دروازہ کھٹکھٹائے گی. تو اُس کے سامنے کیا پیش کریگا؟

آہ! میں اپنے مہمان کے سامنے اپنی زندگی کا لبریز جام پیش کرونگا۔ میں اُسے خالی ہاتھ کبھی نہ جانے دونگا ÷

اپنے تمام ایامِ خزاں۔ و شبہائے گرما کی شیریں پیداوار۔ اپنی مشغول زندگی کا تمام سرمایہ و ماحصل اپنے ایام حیات کے اختتام پر اُس کے سامنے پیش کرونگا۔ جب وہ میرا دروازہ کھٹکھٹائیگی ÷

(۹۱)

موت۔ اے زندگی کی وفائے آخرین! آ، اور مجھ سے سرگوشی کر ÷

دن پر دن گزرتے جاتے ہیں کہ میں تیرے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ تیری ہی وجہ سے میں نے زندگی کی مصیبتیں اور مسرتیں برداشت کیں

جو کچھ میں ہوں، جو کچھ میرے پاس ہے، جو کچھ میری آرزو ہے۔ یہاں تک کہ میرا عشق بھی عمیق راز میں تیری ہی طرف ان سب کا میلان تھا۔ تیری آنکھوں کی ایک فیصلہ کن نگاہ اور میری زندگی ہمیشہ کے لئے تیری ہو جائے گی۔

پھول گوندھے گئے ہیں۔ ہار دولہا کے لئے تیار ہے۔ شادی کے بعد دلہن اپنے گھر چھوڑ دے گی اور اپنے آقا سے تنہا رات کے سناٹے میں ملے گی۔

---

(۹۲)

میں جانتا ہوں وہ دن آئیگا جب اس دنیا کا نظارہ میرے لئے ختم ہو جائیگا۔ اور زندگی میری آنکھوں پر آخری پردہ ڈالکر چپکے سے رخصت ہو جائیگی۔

لیکن ستارے بدستور رات کیوقت تکا کرینگے۔ صبح اسی طرح طلوع

ہوا کرینگی۔ اور گھنٹے امواجِ بحر کی طرح مسرت و غم کا شمار کرتے ہوئے موجزن ہوا کرینگے +

جب میں اپنے لمحات کے اس انجام کا خیال کرتا ہوں۔ تو ان لمحات کا حجاب ٹوٹ جاتا ہے۔ اور میں موت کی روشنی میں تیری دنیا اور اُسکے لاپرواہ خزانوں کو دیکھنے لگتا ہوں۔ اُس کی حقیر ترین جگہ بھی بے نظیر اور اُس کی ذلیل ترین زندگی بھی بے بہا ہے +

وہ چیزیں جن کی بیکار آرزو میں نے کی، وہ چیزیں جو مجھے ملیں۔ اُن سب کو جانے دو۔ مجھے صرف اُن چیزوں پر حقیقی قبضہ پاجانے دو۔ جن کو میں نے ہمیشہ ٹھکرایا اور نظر انداز کیا +

(۹۳)

مجھے رخصت مل گئی ہے۔ اے بھائیو مجھے خیرباد کہو! میں تم سب کے سامنے جھکتا ہوں اور روانہ ہوتا ہوں +

(یہ لو) اپنے دروازہ کی کنجیاں دیتا ہوں اور اپنے مکان کے سارے دعووں سے دست بردار ... ہوتا ہوں۔ اب تو میں تم سے صرف مہربانی کے آخری الفاظ سننا چاہتا ہوں۔

ہم تم باہم عرصہ تک ہمسایہ رہے۔ لیکن مجھے ہمیشہ اُس سے زیادہ ملا جتنا میں نے دیا۔ اب دن نکل آیا ہے۔ اور چراغ جو میرے تاریک گوشہ کو منور رکھتا تھا گل ہو گیا ہے۔ پیام طلب آگیا ہے۔ اور اب میں سفر کے لئے آمادہ ہوں۔

(۹۴)

اے میرے دوستو، اب جدائی کے وقت میرے شادکام ہونے کی دعا کرو! آسمان طلوع صبح سے رنگین ہے اور میرا رہگزر خوبصورت۔

یہ نہ پوچھو کہ میرے پاس وہاں لے جانے کو کیا ہے۔ میں اپنے سفر میں خالی ہاتھ مگر دل میں امید لئے ہوئے جاتا ہوں۔

میں اپنی شادی کا ہار پہن لونگا۔ میرا لباس کسی مسافر کی طرح گیروا تو ہے نہیں
اور ہر چند راستہ پُرخطر ہے۔ مگر میرا دل بے خوف ہے +

جب میرا سفر ختم ہوگا۔ شام کا تارا نکل آئیگا اور شفقی راگنیوں کا دل گداز
ترنم بادشاہ کے راہِ آستانہ سے شروع ہو جائیگا[1] +

(۹۵)

میں اُس لمحہ سے آگاہ نہ تھا جب اوّل اوّل میں اس زندگی کے دروازہ
سے گزرا +

وہ قوت کیا تھی جس نے مجھے اس وسیع رازگاہ میں اس طرح کھلا دیا:
جیسے آدھی رات کو جنگل میں کوئی کلی کھِلے +

صبح کو جب میں نے روشنی پر نظر ڈالی۔ میں نے فوراً محسوس کیا کہ میں اس
دنیا میں اجنبی نہیں ہوں +

[1] یہ رسم پذیرائی (Reception) ذاتِ باری کی طرف سے عمل میں آئیگی۔

اور یہ کہ بالا صورت و نام کی ایک نا قابل الفہم شے نے۔ خود میری ماں
کی صورت میں۔ مجھے اپنی آغوش میں لے لیا*

اسی طرح موت کی حالت میں بھی وہی غیر معلوم شے اُسیطرح نمودار
ہوگی جس طرح ہمیشہ میں نے اُسے جانا ہے۔ اور چونکہ میں اس زندگی
سے اُلفت کرتا ہوں۔ اس لئے میں جانتا ہوں کہ اسی طرح موت سے
بھی اُلفت کرونگا*

جب ماں اپنی داہنی چھاتی سے بچّہ کو جُدا کر دیتی ہے تو وہ چیخنے لگتا
ہے لیکن فوراً ہی بائیں چھاتی میں اپنی تسکین پاتا ہے*

(۹۶)

جب میں یہاں سے جانے لگوں۔ تو خدا کرے۔ میرے آخری الفاظ
یہ ہوں کہ جو کچھ میں نے دیکھا۔ لاجواب تھا*

تجھے ضیا پر پھیلے ہوئے اس کنول کی نہایت شیرینی کو میں چکھ چکا ہوں

اور اس لئے مسرور ہوں۔ یہ میرے الفاظ جدائی ہوں +

بیشمار صورتوں کی اس بازی گاہ میں۔ میں کھیلا ہوں اور یہیں میں نے اُس (ذات) کی صورت دیکھی ہے جس کی کوئی صورت نہیں ہے +

میرے تمام جسم میرے تمام اعضا میں اُس کے چھو جانے سے ایک لرزش سی پیدا ہوگئی ہے (حالانکہ) وہ خود ناقابلِ لمس ہے۔ اور اب اگر خاتمہ (کا وقت) آتا ہے تو آنے دو۔ یہ میرے الفاظ جدائی ہوں +

---

(۹۷)

جب میں تیرے ساتھ کھیلا کرتی تھی میں نے کبھی یہ نہیں پوچھا تو کون ہے۔ نہ میں نے شرم جانی اور نہ کوئی خوف۔ میری زندگی پُرشور تھی +

صبح کو تو میرے ہی ساتھی کی طرح مجھے نیند سے پکارتا اور راستوں راستوں دوڑائے لئے پھرتا +

اُن دنوں میں نے اُن گیتوں کا مطلب سمجھنے کی۔ جو تو میرے سامنے گایا

کرتا کبھی پروا نہیں کی میری آواز تو صرف تیرے سُرونکو لے لیتی،
اور میرا قلب اُن کے ساتھ رقص کیا کرتا ۔

اب جبکہ کھیل کود کا زمانہ ختم ہو گیا ہے۔ یہ کیا منظر ہے جو اچانک مجھ پر
ظاہر ہو گیا؟ دُنیا مع اپنے خاموش ستاروں کے اک حالت خوف و
ہراس میں اپنی آنکھیں تیرے قدموں کی طرف جھکائے کھڑی ہے ۔

(۹۸)

مَیں تجھے اپنے اُن ہاروں اور اُن نشانات فتح سے آراستہ کرونگا۔
جو میری شکست سے حاصل ہونگے۔ یہ میرے اختیار میں نہیں
ہے کہ بغیر مفتوح ہوئے رہ جاؤں ۔
مجھے یقین ہے کہ میرا غرور مٹ جائیگا۔ میری زندگی کی مجبوریاں انتہائے
درد ہو کر رہ جائیں گی (میرا) خالی دل اک کھوکھلی بانسری کی طرح نغمہ کی
سسکیاں بھرنے لگیگا اور پھر آنسو ہو کر بہ جائے گا ۔

مجھے یقین ہے کہ کنول کی سیکڑوں پنکھڑیاں ہمیشہ بند نہ رہیں گی اور اُس کی شیرینی کا خزانہ مخفی کھلکر رہیگا ✣

نیلے آسمان سے دیکھنے والا مجھے دیکھے گا اور چپکے سے مجھے بلائیگا میرے لئے کچھ نہ رہ جائیگا۔ کچھ بھی نہیں۔ اور اک کھُلی ہوئی موت تیرے قدموں میں مجھے مل رہے گی ✣

---

(۹۹)

جب میں پتوار (ہاتھ سے) چھوڑتا ہوں، تو جانتا ہوں وقت آ گیا ہے کہ تو اسے سنبھالے۔ جو کچھ کرنا ہے۔ فوراً کر لیا جائے گا۔ یہ جدوجہد بیکار ہے ✣

پھر اے دل (سعی سے) ہاتھ اُٹھا لے۔ اور اپنی شکست کو خاموشی سے برداشت کر اور جہاں تجھے جگہ ملی ہے وہیں پورے سکون کے ساتھ رہنا اپنی خوش قسمتی سمجھ ✣

یہ میرے چراغ ہوا کی ذراسی پھونک سے بجھ جاتے ہیں اور اُن کے روشن کرنے کی کوشش میں۔ اور سب کچھ بھول جاتا ہوں +

لیکن اس دفعہ مَیں ہوشیار رہونگا۔ اپنی چٹائی زمین پر بچھادونگا۔ اور یونہی اندھیرے میں انتظار کیا کرونگا +

اے آقا جب تیری مرضی ہو چپکے سے آ۔ اور یہاں (چٹائی پر) بیٹھ جا۔

(۱۰۰)

مَیں نمودِ صور کے عمیق بحر میں اس اُمید پر غوطہ زن ہوتا ہوں کہ وہ غیر مشخص زرّیں مجھے مِل جائے +

اب اس فرسودہ موسم کشتی میں میرا ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک سفر موقوف ہے۔ وہ دن۔ جب میرا کھیل ہی یہ تھا کہ لہروں پر پھینکا پھینکا پھروں۔ عرصہ ہوا گزر گئے +

اب میری آرزو ہے کہ کسی غیر فانی میں فنا ہو جاؤں +

مطبوعاتِ فرمانؔ فتح پوری

۱۔ تدریس اردو۔ ۱۹۶۲ء - ۱۹۷۲ء - ۱۹۸۵ء - ۱۹۹۰ء
۲۔ اردو رباعی کا فنی اور تاریخی ارتقاء۔ ۱۹۶۲ء ۱۹۸۲ء
۳۔ تحقیق و تنقید۔ ۱۹۶۳ء - ۱۹۷۷ء دہلی ۱۹۷۸ء
۴۔ اردو کی منظوم داستانیں۔ ۱۹۷۰ء
۵۔ غالب شاعرِ امروز فردا۔ ۱۹۷۰ء
۶۔ اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری۔ ۱۹۷۲ء
۷۔ نیا اور پرانا ادب۔ ۱۹۷۲ء
۸۔ دریائے عشق اور بحر المحبت کا تقابلی جائزہ۔ ۱۹۷۲ء
۹۔ نواب مرزا شوق کی مثنویات۔ ۱۹۷۲ء
۱۰۔ زبان اور اردو زبان۔ ۱۹۷۳ء ۱۹۷۶ء
۱۱۔ قمر زمانی بیگم۔ ۱۹۷۲ء - ۱۹۷۹ء ۱۹۸۰ء
۱۲۔ اردو کی نعتیہ شاعری۔ ۱۹۷۴ء ۱۹۸۰ء
۱۳۔ ارمغان گوکل پرشاد۔ ۱۹۷۵ء
۱۴۔ تحریک پاکستان اور قائد اعظم۔ ۱۹۷۶ء - ۱۹۸۱ء
۱۵۔ ڈاکٹر محمود حسین شخصیت اور کارنامے۔ ۱۹۷۶ء
۱۶۔ میر انیس حیات اور شاعری۔ ۱۹۷۶ء
۱۷۔ مولانا حسرت موہانی شخصیت اور فن۔ ۱۹۷۷ء
۱۸۔ ہندی اردو تنازع۔ ۱۹۷۷ء - ۱۹۸۸ء
۱۹۔ اردو املا اردو رسم الخط۔ ۱۹۷۷ء ۱۹۸۰ء ۱۹۹۴ء
۲۰۔ اقبال سب کے لئے۔ ۱۹۷۸ء دہلی ۱۹۸۰ء
۲۱۔ تاویل و تعبیر۔ ۱۹۸۰ء - ۱۹۸۴ء
۲۲۔ سرسید آن دی پریزنٹ اسٹیٹ پالیٹکس۔ ۱۹۸۲ء
۲۳۔ اردو افسانہ اور افسانہ نگار۔ ۱۹۸۲ء ۱۹۸۴ء
۲۴۔ دید و بازدید (سفرنامہ)۔ ۱۹۸۲ء
۲۵۔ خطبات محمود۔ ۱۹۸۳ء
۲۶۔ فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت۔ ۱۹۸۴ء
۲۷۔ نیاز فتح پوری شخصیت اور فکر و فن۔ ۱۹۸۶ء
۲۸۔ پاکستان موومنٹ اینڈ ہندی اردو کانفلیکٹ۔ ۱۹۸۶ء
۲۹۔ اردو کا افسانوی ادب۔ ۱۹۸۸ء
۳۰۔ اردو کی ظریفانہ شاعری اور اسکے نمائندے۔ ۱۹۸۸ء
۳۱۔ مولانا جوہر حیات اور کارنامے۔ ۱۹۸۸ء
۳۲۔ اردو نثر کا فنی ارتقاء۔ ۱۹۹۰ء دہلی ۱۹۹۳ء
۳۳۔ اردو شاعری کا فنی ارتقاء۔ ۱۹۹۰ء دہلی ۱۹۹۳ء
۳۴۔ اردو کی بہترین مثنویاں۔ ۱۹۹۰ء
۳۵۔ نیاز فتح پوری دیدہ و شنید۔ ۱۹۹۰ء
۳۶۔ اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ۔ ۱۹۹۰ء
۳۷۔ اردو املا اور قواعد۔ ۱۹۹۰ء
۳۸۔ قومی یک جہتی اردو اور پاکستان۔ ۱۹۹۲ء
۳۹۔ ادبیات و شخصیات۔ ۱۹۹۳ء
۴۰۔ پاکستان اور سری پرکاش۔ ۱۹۹۳ء
۴۱۔ تمنا کا دوسرا قدم اور غالب۔ ۱۹۹۵ء
۴۲۔ غزل اردو کی شاعری روایت ۱۹۹۵ء
۴۳۔ زبان اور اردو زبان (بعد نظرِ ثانی و اضافہ ۱۹۹۵ء)